حالات

ڈاکٹر عبدالمحسن صاحب

(نواب ارسطو یار جنگ)

حالات

(نواب ارسطو یار جنگ بہادر ۔ معین الحکماء ۔ جلیل الدین)

از

علی منظور

۱۹۵۵ء

اول

قیمت : دو روپے

ڈاکٹر عبدالحسین صاحب مرحوم

(ارسطو یار جنگ)

حالات

ڈاکٹر عبدالحسین صاحب مغفور و مرحوم

(نواب ارسطو یار جنگ بہادر ـ معین الحکماء ـ جلیل الدین)

از

علی منظور

طبع اول

قیمت دو روپیہ

مسلنے کا پتہ

اے ـ اے حسین اینڈ کو
عابد روڈ ـ حیدرآباد دکن

۱۹۵۵ء

* پل کی خبر نہیں دم سے

فہرست

کیوں نہ ان کا تذکرہ پاکیزہ ہو

۱۳۷۰ھ

جم چکا ہے جن کے احسانوں کا رنگ

خوشس نگاہوں کو دکھائینگے مدام

گلشن عرفان ارسطو یار جنگ

۱۳۷۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنتساب

اُن زندہ ضمیروں کے نام جن کی زندگی کا
مقصد مخلوقِ خدا کی خدمت ہے۔

علی منظور

پُر الفتِ قومی سے ہے جن کا رگ و ریشہ
مرنے کو تو مرتے ہیں پہ جیتے ہیں ہمیشہ

تمہید

بڑا آدمی وہی ہے جو علماً اور عملاً مفیدِ انسانیت ہو۔ ارسطو کی عظمت کس کو تسلیم نہیں ؟

سکندر نے سینکڑوں شہر فتح کئے لیکن اس قسم کی فتوحات کو انسانیت کیا بزرگی کی دلیل سمجھتی ہے ؟ ۔ سمجھتی تو اس کے "مجسمۂ مفروضی" کو اس طرح سنگسار نہ کرتی ! ؎

لایا تھا کیا سکندر دنیا سے لے گیا کیا
تھے دونوں ہاتھ خالی باہر کفن سے نکلے

اے سکندر نہ رہی تیری بھی عالمگیری
آپ گئے روز جیا جس لئے دارا مارا

جانستانی بہر حال مکروہ — جان بخشی ہمہ وجوہ محمود

حقیقی جان بخش خدا ، اعتباری جان بخش خدا کے خاص بندے۔ ان خاص بندوں کی زندگی کا مقصد مخلوقِ خدا کی خدمت کے سوا اور کچھ نہیں۔ یہ بالغ نظر انسان "رنگ" کو نہیں پرکھتے ، "نسل" کو نہیں جانچتے ، "وطن" کو نہیں پوچھتے ، "مذہب" کو نہیں دیکھتے ۔ خدا کے کنبے کی خدمت کرنا ان کا فرض ہے ، اپنا فرض ادا کئے جاتے ہیں ۔

[illegible]

ڈاکٹر ارسطو یار جنگ ایسے ہی فریضہ شناس بے لوث خدمتگزار تھے۔ عمر بھر مخلوقِ خدا کی خدمت کرتے رہے چونکہ نیت پاک تھی اس لئے دنیا خورد و عقبیٰ برد۔

ڈاکٹر نواب ارسطو یار جنگ بہادر کا نام عبد الحسین، موصوف کی تاریخ پیدائش ۲۴ شوال ۱۲۷۵ھ ہے الٓمٓ ذالک الکتاب تاریخی مادہ ہے۔ ان کے والد کا نام اسمٰعیل اور دادا کا نام عبد القادر عبد القادر کے ایک بڑے بھائی تھے غلام حسین۔ غلام حسین اپنے خاندان کے ساتھ اپنے وطن اودے پور کو خیرباد کہہ کر بزمانہ نظام ناصر الدولہ بہادر وارد حیدر آباد ہوئے اور حیدر آبادی ہو گئے۔

ڈاکٹر صاحب کے والد اسمٰعیل مرحوم حضرت فرید الدین عطار کے ہم پیشہ تھے۔ یہ چھوٹے پیمانہ کا کارخانہ و تجارت کیا ڈاکٹر صاحب کو بڑا آدمی بنا سکتی؟ توبہ میں نے یہ کیا کہہ دیا۔ بڑا آدمی بنانا قدرت کا کام ہے قدرت نے وہ تمام صلاحیتیں ان کو ودیعت کردیں جس سے استفادہ کرکے یہ بڑے آدمی بن گئے۔

لہو و لعب سے ان کو دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ ان کا مشغلہ تھا تحصیلِ علم فقط تحصیل علم۔ اردو پڑھی۔ فارسی میں مہارت حاصل کی عربی میں ایک مقام پایا۔ انگریزی میں بھی علی حذا القیاس علوم متداولہ کی تحصیل کے بعد مدرسہ طبیہ میں شریک ہوئے یہاں بھی چھ سال گزارے سندلی سرجن ہو گئے

ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کے مدرسہ کے استاد اپنے شاگرد کو بہت چاہتے تھے اور فخر کرتے تھے۔ یہ بھی اپنے استاد مولوی محمد کامل صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے ایک فرزند نے بابا کے استاد صاحب سے عرض کی کہ دادا حضرت میری آٹوگراف البم پر آپ اپنے قلم سے کچھ تحریر فرمادیں۔ بزرگ استاد نے یہ فرماتے ہوئے لکھا کہ ہم نے تمہارے بابا کو بھی یہی تعلیم دی ہے تم کو بھی یہی لکھ دیتے ہیں۔ خیرُ النّاسِ مَن ینفع النّاس۔ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کے بڑے فرزند ڈاکٹر خورشید حسین صاحب جب زیر تعلیم ولایت میں تھے تو ڈاکٹر صاحب کے استاد مولوی محمد کامل صاحب مرحوم نے جو خط لکھا تھا یہ تھا۔

عزیزی !

(۱) وقت بے بہا شئی ہے بے بذل ضائع نہ ہو۔

(۲) خُذ ما صفا ودَع ما کدر پر عمل کرنا۔

(۳) دنیا کی کوئی شئے بے مصرف نہیں حسنِ استعمال شرط ہے۔

(۴) بعد کامیابی جب وطن واپس آنا تو قوم کے ایک فرد بن کر آنا تاکہ قوم تمکو اپنے سر آنکھوں پر بٹھائے۔

ڈاکٹر صاحب کی اہلیہ محترمہ کے پاس ان کے فرزند خورشید حسین اپنی آٹوگراف البم پیش کرکے طالب تحریر ہوئے۔ والدہ محترمہ نے اس پر یہ تحریر فرمایا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجنۃ تحت اقدام امہاتکم۔

عبادت خدا کی۔ اطاعت ہماری۔ محبت سب کی، تمہیں
دارین میں خوش حال رکھے گی فقط

تمہاری ماں
امۃ القیوم بیگم
۱۷ر شوال ۱۳۳۳ھ

خوش نصیب ڈاکٹر صاحب کی پیدائش کا زمانہ بہت اچھا زمانہ تھا۔ افضل الدولہ بادشاہ۔ مختار الملک وزیر، اس وزیر خوش تدبیر نے اصلاحات کی بنیاد ڈال دی تھی۔ ملک کے ہونہار نوجوانوں کو دارالعلوم نے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ادب آموزاں عصر ان کی تعلیم و تربیت کیلئے بلائے گئے۔ پرسوں مولانا سید حسین بلگرامی (عماد الملک) تشریف لائے کل مولوی مشتاق حسین (وقار الملک) نے سرزمینِ دکن کو مشرف کیا آج علامہ مہدی حسن (محسن الملک) کی آمد آمد کا شور و غل ہے۔ جب تک مختار الملک کی آنکھیں بند نہیں ہوگئیں مشاہیر عہد کا آنا بند نہیں ہوا

ریاستِ حیدرآباد پر عماد الملک، وقار الملک اور محسن الملک وغیرہ کے احسانات ہم آج نہیں بھلا سکتے۔ ڈاکٹر صاحب تو ان کے ہم زمانہ تھے ان بزرگوں سے کیا کچھ نہ حاصل کیا ہوگا۔ محسن الملک جیسے زمانہ شناس آدمی ہر زمانہ میں کم پیدا ہوتے ہیں۔ وقار الملک کی طرح ہمدرد انسان زیادہ نظر آنے لگیں تو بیدرد لوگوں کا کھوج تک نہ ملے۔ عماد الملک کی خودداری شاعر اقبال کی چند جوش انگیز نظموں کا مجموعہ معلوم ہوتی ہے

ہمارے ڈاکٹر صاحب بھی بڑے خوددار مخلوقِ خدا کے سچے ہمدرد اپنے معاصرین کے مقابلہ میں اچھے زمانہ شناس تھے ان خوبیوں کے ساتھ شمس العلماء ڈاکٹر نذیر احمد والی کفایت شعاری سونے پر سہاگہ اور اعظم یار جنگ (مولوی چراغ علی) کی طرح مذہبی شغف مزید برآں۔ "عظماء شمال" کی طرف یکسو ہوکر موصوف نے اکابر جنوب سے بے توجہی نہیں برتی۔ یعنے

تمتع ز ہر گوشۂ یافتیم

کہتے رہے۔ فاضل علامہ مولوی انوار اللہ خاں فضیلت جنگ کا علمی انہماک دیکھا۔ افتخار الملک شہاب جنگ کی انتظامی قابلیت مدنظر رکھی۔ سمر یمین السلطنت مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کے معتدلانہ نقطۂ نگاہ سے بہرہ یاب ہوئے۔ سر خورشید جاہ کی مفکرانہ عظمت کے نظارے دیکھے مولوی یوسف الدین صاحب صوبہ دار کو وفاداری بشرط استواری کے فلسفہ پر عمل پیرا دیکھا۔ فریدوں جنگ سر فریدون الملک بہادر کی سیاست رایج الوقت کے مفید نتایج ظاہر ہوتے پائے۔ ناموں کے ولولہ پرور کارنامے پیش نظر خود زمانہ موافق پیشہ فطرت کے عین مطابق راہ ترقی ہموار۔ بڑھے۔ بڑھتے چلے گئے۔

مدرسہ طب حیدرآباد سے معمولی حکیم کا امتحان پاس کیا تھا۔ پہلا تقرر سیول سرجنی سنگاریڈی پر ہوا۔ پہلے ہی روز شفاخانہ میں ان کا کثرت انہماک دیکھ کر ان کے پیش رو ڈاکٹر نے ریمارک کیا کہ "ایسے ہی لوگ اپنا وقار کھو بیٹھتے ہیں۔ کام کرنے کی بھی حد چاہیئے" ڈاکٹر عبدالحسین کے دل وہی سے کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ دواخانے میں جو اودیہ سال تمام

کے لئے محکمہ سے بھیجے گئے تھے چند ماہ میں ختم ہو گئے۔ ان ادویہ کا صدر سے مطالبہ کرنے پر یہ جواب ملا کہ "بے احتیاطی کا یہ نتیجہ ہے سال میں یار بار ان کو بھیجا نہیں جاسکتا۔ اس دفعہ تو ارسال کیا جاتا ہے آئندہ کوئی لحاظ نہ ہوگا۔"

جیسے جیسے دن گذرتے گئے شفاخانہ کا مرجوعہ بڑھتا گیا اور دوا کا اسٹاک ختم ہوتا گیا۔ ڈاکٹر عبدالحسین نے یہ عمل شروع کیا کہ جو جو ذی استطاعت رجوع شفاخانہ ہوتے ان کو دواخانہ میں دوا موجود نہ ہونا بتلا کر بازار سے ادویہ خرید کرنے کی ہدایت کرتے اور غریبوں کو شفاخانہ سے ادویہ دیتے۔ ذی استطاعت بھی خوش اور غریب بھی خوش۔

دو سال سنگا ریڈی کے شفاخانہ پر کارگذار رہنے کے بعد ڈاکٹر عبد الحسین صاحب کا تبادلہ بیدر پر ہوا۔ وہاں کے تعلقدار صاحب کے پاس ڈاکٹر عبدالحسین صاحب جاکر روزانہ سلام بجا نہ لانے کا نتیجہ یہ ہوا کہ تعلقدار صاحب نے ان کی شکایت مقامی اخبار حیدرآباد میں شایع کردائی۔ تحقیقات کے لئے صوبہ دار صاحب بیدر تشریف لائے اور تحقیقات کرنے پر شکایت بیجا ظاہر ہوئی۔ صوبہ دار صاحب نے ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کو عصر پر مدعو کر کے دریافت کیا کہ کس نے شکایت طبع کروائی۔ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب نے جواب دیا کہ "کسی محسن کا کام ہوگا" صوبہ دار صاحب نے فرمایا کہ شکایت کرنے والا محسن کیسا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ وہ ایک طرح نہیں دو طرح سے محسن ہے۔ صوبہ دار صاحب نے فرمایا یہ کیسے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اس طرح دوہرا محسن ہے کہ "اگر میں قصوروار ہوں تو میرے محسن کا کام ہے کہ جس نے مجھے میرے قصور بتلادئے اور اگر میں نہیں ہوں تو میں زیادہ احتیاط اس سے لئے

کروں گا کہ قصوروار نہ ہونے پر آتی شکایت ہوتی ہے قصوروار ہونگا تو کیا کچھ شکایت نہ ہوگی اس وجہ سے میں زیادہ محتاط ہوجاؤنگا اس طرح دو دو ہرا میرا محسن ہے۔" صوبہ دار صاحب تجربہ کار جہاں دیدہ بزرگ تھے اُٹھکر ڈاکٹر صاحب کو گلے لگا کر تعریف کئے کہ اس کم عمری میں کیسے اچھے خیالات ہیں کہ کسی کو برا نہیں کہتے۔

بیدر سے ڈاکٹر صاحب کی ترقی اضلاع کے سب سے بڑے شفاخانہ ننگنڈہ پر ہوئی۔ وہاں یہ کام کررہے تھے کہ کرسمس منانے رزیڈنٹ بہادر پاکھال آئے اور نواب مختار الملک سر سالار جنگ کو بھی مدعو کیا۔ نواب مختار الملک بہادر ننگنڈہ تشریف لائے تھے کہ ہمراہی میں سے کوئی شخص سخت بیمار ہوا۔ اور اس کو حیدرآباد واپس بھیجنے کی تجویز ٹھیری۔ ننگنڈہ کے صوبہ دار صاحب نے مقامی سیول سرجن ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کی تعریف کی اور مریض کو رجوع کروایا۔ مریض شفایاب ہونے پر حسن کارگزاری ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کو نواب مختار الملک بہادر نے بعہدہ ہوس سرجن (مہتمم شفاخانہ افضل گنج) پر طلب فرمایا۔

مدرسہ طب سے معمولی سرجن بنائے گئے تھے یہ ہوز سرجن (مہتمم دواخانہ) افضل گنج ہو گئے۔ حد ترقی یہ ہے کہ نظامت طبابت وحفظان صحت سرکار عالی کی کرسی نے ان کے وجود ذی جود سے زینت پائی۔

پبلک ان کی گرویدہ۔ امیر ان کے محتاج۔ وزیر ان کے قائل۔ بادشاہ ان کے قدرداں۔

ایک واقعہ یاد ہے۔

اعلیٰ حضرت نواب میر عثمان علی خاں بہادر جب تخت شاہی پر جلوہ گر ہوئے تھے کسی تقریب میں ایک خاص ڈنر ترتیب دیا گیا تھا جسمیں معدودے چند معززین طلب کئے گئے تھے ان کی تعداد قریب اسی کے تھی۔ وقت ڈنر شب کے ساڑھے آٹھ بجے مقرر تھا۔

معززین محبوب علی پاشا کی صحبت کے تھے وہی عادت ہوگئی تھی وقت کی پابندی کا چنداں احساس نہ تھا۔ وقت مقررہ سے پانچ منٹ بعد نواب شہاب جنگ بہادر جو ملک حیدر آباد کے ایک زبردست امیر باتوقیر تھے آئے اور اپنی جگہ بیٹھنے کرسی سرکائے اس وقت اعلیٰ حضرت اور تمام اعیان ڈنر پر بیٹھ چکے تھے۔ اس دیری پر اعلیٰ حضرت نے بچشم خشم نواب شہاب جنگ بہادر کو دیکھا اور غصہ بھری آواز میں فرمایا کیوں کیا وقت مقرر کیا گیا تھا نواب شہاب جنگ استادہ ہوکر دست بستہ عرض کئے کہ قصور ہوگیا۔ اس پر بھی سرکار عالی وقار بہت افروختہ ہوکر نواب شہاب جنگ بہادر کو رخصت کر دیئے۔ اس واقعہ کے پانچ منٹ بعد ہی ڈاکٹر عبدالحسین صاحب شریک ڈنر ہونے پہنچے کرسی کھینچتے ہی سرکار نے خشمگیں نظر سے دیکھکر فرمایا کیوں عبدالحسین صاحب یہی وقت ہے۔ ڈاکٹر صاحب سرنگوں کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھتے ہی نواب فخر الملک بہادر نے سرکار سے دست بستہ عرض کی کہ خداوند ان کو وقت پر کھانا کب نصیب ہوتا ہے کھاتے کھاتے بھی لوگ ان کو اٹھا کر لیئے جاتے ہیں۔ سرکار عالی وقار یہ سنکر خاموش ہو گئے اور ڈاکٹر عبدالحسین صاحب اپنی جگہ پر بیٹھ گئے۔

نسخہ تجویز کریں تو کم دام اور بہترین میڈیسن۔ آپریشن تھیٹر میں کامیاب ترین سرجن۔ دیکھئے! آپریشن تھیٹر میں بیمار کو میز پر لٹایا گیا ہے

ڈاکٹر صاحب معروف عمل جراحی ہیں کسی کی خبر نہیں۔ انھیں اپنے کام سے کام ہے۔ اس انہماک میں اتفاق دیکھئے! ناظم طبابت ریاست حیدرآباد کرنل شور آئے۔ ڈاکٹر صاحب کے پیچھے کھڑے ہوئے ان کی چابکدستی کا معاینہ جھک کر کر رہے ہیں۔ یہ کیا؟ اتنے انہماک سے دیکھتے دیکھتے دفعتہً ہٹ کیوں گئے ارے رے رے! کرنل صاحب کے پیچھے سے جھانکنے میں ٹانکے دینے کی سوئی کرنل صاحب کی آنکھ میں چبھ گئی۔ دیکھئے! تھیٹر اسسٹنٹ نے ڈاکٹر صاحب کو دوسری سوئی دے دی۔ تکمیل کار کے بعد ڈاکٹر صاحب نے کرنل صاحب سے کہا:۔ "معافی کا خواستگار ہوں"

"تمارا ہاٹ ہم پر جادو کرڈیا۔ گلٹی تمارا نہیں، ہمارا ہے"

"اس آنکھ کو نکالدینا چاہئے ورنہ دوسری آنکھ بھی زہرآلود آنکھ سے متاثر ہوجائے گی:"

"اویس ہم ٹیار ہے:"

کرنل صاحب کی مجروح آنکھ فوراً نکال دی گئی۔ کچھ دنوں میں وہ صحت یاب ہوگئے۔ اصلی آنکھ کی جگہ نقلی آنکھ نے سنبھال لی۔

اس خطرناک لیکن کامیاب آپریشن کا تذکرہ اتفاقاً پھر چھڑ گیا تو کرنل صاحب نے اپنے اُن ہی جملوں کو دہرایا:۔

"ول ڈاکٹر تمارا ہاتھ ہم پر جاڈو کرڈیا۔ گلٹی تمارا نہیں ہمارا ٹھا:"

سچ ہے کامل ہی کامل کو پہچانتا ہے کمال کی داد کامل ہی دے۔ غور فرمائیے۔

ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں کی چلت پھرت کتنی تیز کتنی عمدہ، کتنی باقاعدہ ہوگی کہ ایک یوروپین ماہر فن مسحور ہوکر اپنی آنکھ کھو بیٹھا۔

شوری کیا۔ شورے پیشر و گمٹ۔ لاری۔ شور کے پس رو برائیں اور لنکاسٹر سب ہمارے ڈاکٹر صاحب کے مداح تھے۔

ایک واقعہ یاد ہے کہ مسلم جنگ بہادر کی آنکھ میں موتیہ ہوا ڈاکٹروں کو بتلایا گیا سب نے قدح کرنے کی رائے دی۔ مصاحبین خاص نے مشورہ دیا کہ بجائے حیدر آباد میں آپریشن کرانے کے ولایت میں ماہرین فن سے آپریشن کروانا بہتر ہے آنکھ کا معاملہ ہے۔ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کو بھی بتلایا گیا تھا انہوں نے ایک ہزار روپیہ آپریشن کے خرچ ہوں گے بتلایا۔ نواب صاحب نے ولایت جانیکی ٹھانی مشیروں نے کہا کہ ساتھ ایک تجربہ کار ڈاکٹر کو بھی رکھنا مناسب ہے۔ ڈاکٹر لاری سے خواہش کی گئی۔ انہوں نے فوری رضامندی ظاہر کی نواب صاحب ان کو ساتھ لئے تمام مصارف برداشت کرکے لندن پہنچے وہاں کے کئی ماہرین کو بلا کر ان کی فیس ادا کرتے رہے۔ آخرش کئی لاکھ روپیہ صرف کرکے واپس حیدر آباد آئے۔ بعد واپسی لاری صاحب نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ یہ اتنا پیسہ صرف کرکے وہاں علاج کے لئے گئے اور مجھے لندن میں موتیہ ہو جائے تو میں اس کے قدح کے لئے ڈاکٹر عبدالحسین کے پاس حیدر آباد آؤنگا۔

ایک دوسرے ناظم طبابت یو روپین صاحب کے سامنے شفاخانہ افضل گنج میں ایک مریض رجوع ہوا۔ ناظم صاحب موصوف نے اس کا معائنہ کیا۔ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کو بھی اس کا معائنہ کرنے فرمایا۔ بعد معائنہ رائے طلب کی ڈاکٹر عبدالحسین صاحب نے فرمایا کہ اس کے کلیجہ میں پیپ ہے۔ ناظم صاحب نے پوچھا کیا آپ کو اس کا یقین ہے انہوں نے کہا کہ میری تشخیص میں یہ معلوم ہوتا ہے۔ ناظم صاحب نے فرمایا کہ جب یقین ہے تو میرے سامنے علاج کرو

ڈاکٹر صاحب نے علاج کے لئے مریض کو لٹا یا۔ کلیجہ کو پرکس کر کے مقام پیپ کا اندازہ کر کے پیپ نکالنے کے آلہ سے چھید کیا تو نصف اونس پیپ برآمد ہوا یہ دیکھتے ہی مردم شناس ناظم نے بے ساختہ کہہ دیا کہ "یہ عبد الحسین کی انگلیاں ہی ہیں جو اس قدر تھوڑے سے پیپ کا بھی پتہ چلا سکتی ہیں۔"

ایک اور یوروپین ناظم صاحب کے سامنے ایک بچہ لایا گیا انہوں نے اس کو دیکھا ڈاکٹر عبد الحسین صاحب کو دیکھنے کے لئے فرمایا یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ سیتا پھل کا بیج پھنس گیا ہے۔ ناظم صاحب نے فرمایا کہ تم کو یقین ہے تو نکالو۔ ڈاکٹر صاحب نے ان کے سامنے نکال دیا اس پر ناظم صاحب نے فرمایا کہ اگر یہ بیج میرے سامنے نہ نکالا جاتا تو میں ہرگز ڈاکٹر عبد الحسین کی بات باور نہ کرتا۔

ایک فوجی ملازم سکندر آباد کے فوجی شفاخانے میں رجوع ہوا وہاں کے ڈاکٹر صاحب نے اس کا علاج کرنا چاہا۔ سانس رکنے کا خوف ہونے پر آپریشن بند کر دیا اور زخم کو ٹانکے دیدیئے۔ فوجی آدمی نے اپنے افسر سے خواہش کی کہ اس کو شفاخانہ افضل گنج بھیج دیا جائے کیونکہ اس کو سانس لینے میں دشواری باقی ہے۔ افسر فوج نے بخوشی ایک سفارشی چھٹی کے ساتھ اس کو شفاخانہ افضلگنج ڈاکٹر عبد الحسین کے پاس بھیجدیا۔ ڈاکٹر صاحب نے ملاحظہ فرما کر ایک چمٹے سے منھ کی راہ سے ناک میں جو پالیپ بڑھ گئے تھے اس کو نکال دیا اور ہاتھ دھونے لگے۔ مریض نے دریافت کیا کہ علاج کے لئے کب آئے۔ ڈاکٹر صاحب نے مریض سے پوچھا کیا ابھی شکایت ہے اس پر مریض چوکنا ہو کر سانس میں سہولت پاکر خوش ہوا اور ساتھ ہی شکایت کی کہ سکندر آباد میں ناحق اس کی ناک کاٹی گئی۔

یہ موقع ہے چاہوں تو ڈاکٹر صاحب کے حیران کن معالجوں کی تفصیل کرکے صفحوں کے صفحے سیاہ کردوں۔ لیکن غیر فن دان کو اس سے حاصل؟ وہی باتیں لکھوں گا جس کی بدولت ہونہاروں کے دل میں ترقی کی امنگ کروٹیں بدلنے لگے حب وطن کا صحیح جذبہ پرورش پائے ہمدردی کا احساس لہرائے۔ خدمت خلق کا ذوق پیدا ہو۔ ذکر ماضی چٹکیاں لے۔ فکر مستقبل مچلے۔ حسِ غیرت ابھرے۔ حصولِ علم کا شوق پیدا ہو۔ "بقول شخصے" کسی ہونہار کا دل" قطرۂ خون "بنکر نہ جم جائے بلکہ ہر امنگ بھرے دل کے مقابلے میں جامِ جم شکست خوردہ ثابت ہو۔ برادرانِ عزیز ما! اس تذکرے کو "ضخیم" بنانا مجھکو منظور نہیں۔ ظاہر پرست آدمی "کمیت" سے مرعوب ہوجاتے ہیں کہ فلاں مدظلہ العالی نے فلاں رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری لکھ ڈالی جس کے چھ سو صفحات ہیں۔ استغفراللہ۔ ان چھ سو صفحوں کی حقیقت دیدہ ور انسانوں سے پوچھئے دیدہ ور انسانوں کی خوشی مجھ کو منظور ہے۔ میری یہ تصنیف سرتاپا "کیفیت" محسوس ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

بار ہا سنا - برمحل سنا

اوّل خویش بعد درویش

خویش و درویش میں امتیاز کرنا ڈاکٹر صاحب نے سیکھا ہی نہیں تھا۔ ہندو، مسلمان، مسلمانوں میں سنی شیعہ اور یہودی وغیرہ سب سے یکساں سلوک کرتے تھے۔ شاید اسی بنا پر کبھی کبھی بیساختہ کہہ دیتے "میری برادری کی تعداد سب سے زیادہ ہے۔"

وہ مریض کو انسان سمجھ کر علاج کرتے تھے۔ وہ کس مذہب و مشرب کا ہے۔ یہ خیال کبھی نہیں گذرا۔ آپ بیتیاں جو مجھ سے بیان کی گئیں اور ساتھیوں نے جو باتیں بیان کیں سناتا ہوں۔

دواخانہ کے ایک سرکاری ملازم رنگیا صاحب نجار نے درخواست پیش کی "فدوی کا مزاج درد شکم سے سخت پریشان ہے "حکیم کی رائے ہے کہ جب تک پندرہ یوم تک بلا مشقت علاج نہ ہو صحت ہونا محال ہے لہذا رخصت پندرہ یوم مرحمت فرمائی جائے تو فدوی اپنا علاج کرواتا ہے بعد حصول شفا نوکری سرکار میں حاضر ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے عرضی گذار سے اتنا بھی نہیں فرمایا کہ بندے کے اکثر مریض اس دواخانہ میں رجوع ہوتے ہیں تم اسی دواخانہ کے ملازم ہو کر باہر والے حکیم" سے اپنا علاج کراتے ہو؟

سمجھ گئے تھے کہ زنگیا صاحب آرام پانے کے لئے بہانہ کر رہے ہیں نہ ان کا مزاج دردِ شکم سے سخت پریشان ہے نہ کسی حکیم کی یہ رائے ہے کہ "جب تک پندرہ یوم تک بلا مشقت علاج نہ ہو صحت ہونا محال ہے" پر بھی ڈاکٹر نے اُسی وقت صداقت نامہ بیماری بھی دے دیا رخصت بھی منظور بھی فرمادی ۔

خواجہ محمد اسحاق صاحب کی بیوی دواخانہ میں رجوع ہوئیں انہوں نے درخواست گزرانی کہ :۔

"خارجاً سنا جارہا ہے کہ میرا تبادلہ دفتر سے مدرسہ نظام آباد پر ہونے والا ہے ۔ اگر ایسا ہو تو ایسے وقت میں سخت تکلیف کا باعث ہے چونکہ بجز میرے اُن[1] کا کوئی نہیں ہے۔ براہ کرم یہاں سے میرے لئے نظامت تعلیمات کو تا روبہ صحت[2] دفتر ہی میں حسب حال رہنے کے لئے صیغہ ضروری تحریک ہو۔"

نظامت تعلیمات کے انتظامی امور میں دخیل ہونے کا دواخانہ کو کیا حق پہنچتا ہے ۔ حق پہنچے یا نہ پہنچے ۔ ناظم صاحب تعلیمات دواخانے کی سفارش مانیں یا نہ مانیں ۔ بنی نوع انسان کے ہمدرد ڈاکٹر نے دفتر دواخانہ افضل گنج سرکار عالی سے ایک مراسلہ بتاریخ ۲۴ مئی ۱۹۱۲ء اجرا فرمادیا :۔

"مسمی خواجہ محمد اسحاق صاحب جو فی الحال دفتر صدر مہتمم مدارس صوبہ میدک پر کار گذار ہیں ان کی بیوی بسبب علالت زیر علاج شفاخانہ ہیں چونکہ ان کا رہنا مریضہ کی تیمارداری میں ضروری امداد ہے لہذا بحالت موجودہ

---

[1] ان کا ۔ یعنی بیوی کا   [2] یعنی صحت یابی تک

حسب حال صاحب موصوف سے کام لینے کے لئے بعینۂ ضروری تحریک فرمائی جائے تو احسن و مناسب ہے"

اس مراسلہ پر سرخ روشنائی سے "ضروری" میں نے دیکھا تو میرے دل نے کہا خالص ہمدردی کی یہ مثال ہر زمانہ میں سبق آموز ثابت ہوگی "

پائیگاہ نواب سر وقار الامرا مرحوم کے ایک ملازم غلام دستگیر صاحب نے درخواست پیش کی!

"فدوی بتاریخ ۴ ذیقعدہ ۱۳۲۹ھ بعارضہ گھٹنی رجوع ہوا اب تک بھی چلنے پھرنے سے معذور ہے لہذا امید کہ سرکار سے سارٹیفکٹ معذوری سرفراز فرمائی جائے جو اپنے علاقہ سرکار میں معافی نوکری کی نسبت درخواست پیش کروں"

ڈاکٹر صاحب نے اسی وقت درخواست پر تجویز فرمادی:۔

"صداقت دی جائے"

دفتر صدر محاسبی سرکار عالی شاخ اضلاع کے ایک اہلکار شمشیر علی صاحب نے درخواست پیش کی:۔

فدوی بعارضہ وجع مفاصل بتاریخ ۸ جون ۱۹۱۲ء مطابق ۳ امرداد ۱۳۲۱ف زیر علاج شفاخانہ والا ہے۔ بسبب باضابطہ صداقت نامہ پیش نہ کرنے درخواست رخصت زیر منظوری ہے۔ ۲۰ امرداد ۱۳۲۱ف سے تین ہفتہ بغرض حصول صحت صداقت نامہ طبی عطا فرمایا جائے۔ چونکہ فدوی کو درد و بخار وغیرہ سے نہایت تکلیف ہے، زبان بیان سے قاصر ہے"

شمشیر علی صاحب کی درخواست پر بھی وہی زود اثر جملہ ارقام فرمایا۔
" صداقت دی جائے "

شمشیر علی صاحب کے بھی ہمدرد۔ غلام دستگیر کے بھی غمگسار۔

اوپر والی لائین میں " زود اثر جملہ " میں نے عمداً لکھا۔ اور افسروں کا دستور ہے کہ ایسی درخواست وصول ہو تو اس پر لکھتے ہیں :۔
" کیفیت پیش کی جائے "

یعنی درخواست گذار کس وارڈ میں زیر علاج ہے کب سے ہے رفتار صحت کیسی ہے۔ بھلا اس قسم کی تجویز " واسطہ در واسطہ " کی محتاج نہ ہو؟ ۔ اب درخواست گزار کو اہلکار۔ صیغہ دار۔ منتظم سٹنٹ سرجن۔ سیول سرجن[1] ان سب کے درشن کرنا پڑتے ہیں۔ یہہ تو یہ تو جلوہ طلبی درخواست گزار کے ہوش و حواس تاب و تواں کھو دیتی ہے تو تجویز آخر " سے درخواست مزین نظر آتی ہے۔ لیکن یہاں ادھر فریاد اُدھر فریاد رسی۔

افغانان جہدویہ اپنے محلوں کے نام سے بھی متعارف ہیں مثلاً چینچل گوڑہ، مشیر آباد، بیگم بازار وغیرہ۔ اکثر پٹھان خود اپنے ناموں سے بھی پہچانے جاتے ہیں جیسے نقیب خاں، ماندور خاں، بہادر خاں دولت خاں اور حیات خاں وغیرہ۔

حیات خاں صاحب سلحدار نے بتاریخ ۲۴ر تیر ۱۳۲۱ف درخواست پیش کی :۔

[1] اس زمانہ میں سیول سرجن صاحبان باقتدار خود صداقت نامہ اجرا کر سکتے ہیں۔

"فدوی ملازم زمرہ سواران آوردۂ نواب نصیب یاور جنگ بہادر متعینہ ضلع رائچور ہے بوجہ علالتِ فرزند فدوی تعلقدار صاحب ضلع رائچور سے رخصت (۳) ماہ خانگی لے کر بلدہ آیا ہے اور فدوی کے لڑکے کو رجوع دوا خانہ کیا فدوی کی رخصت قریب الختم ہے۔ عالیجناب ناظم صاحب دیا تعلقدار صاحب ضلع کو اور دو ماہ یا تین ماہ کی رخصت منظور فرمانے کے لئے سفارش فرمائی جائے تو موجب پرورشی ہے:"

درخواست گزار کا نام حیات خاں۔ درخواست گزار کے صاحب آوردہ کا نام نصیب خاں المخاطب بہ نواب نصیب یاور جنگ بہادر۔ یہ نواب بہادر یار جنگ بہادر کے والد ماجد سے ملک میں کون آگاہ نہیں ڈاکٹر صاحب تو ان کو بخوبی جانتے تھے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ اس درخواست کی پشت پر انگریزی میں یہ یادداشت نظر آتی ہے۔

Talukdar Raichur

Amerda Naseeb Khan Jamadar

درخواست گذار نے نواب نصیب یاور جنگ بہادر لکھا۔ ڈاکٹر صاحب ان کا اصلی نام نصیب خاں لکھتے ہیں کیا یہ انتہائی واقفیت اور خصوصی بے تکلفی کی علامت نہیں؟۔ اب ان حیات خاں صاحب کی درخواست پر ڈاکٹر صاحب کی محبت بھری تجویز ملاحظہ فرمائی جائے :-

"بچہ" کی خدمت میں ان کا رہنا ضروری ہے ان کو صداقت دی جائے"

عوام کیا جانیں کہ بچے اور لڑکے میں کیا فرق ہے۔ صاحبانِ ذوق اس بچہ سے ڈاکٹر صاحب کے نفسیات کا اندازہ کر سکتے ہیں۔ اس پر بھی ڈاکٹر نے اپنی تحریر میں ضروری کا لفظ بھی بہت خاص رکھا ہے۔

توبہ توبہ اس بیساختہ تحریر کو "رکھا ہے" کیا واسطہ؟

ڈاکٹر صاحب بلا لحاظ مذہب وملت تمام مخلوقِ خدا کے عاشق تھے۔ عاشق جان کی پرواہ نہیں کرتا۔

تاریخی واقعہ ہے کہ شہزادہ محمد قلی قطب شاہ اپنے زمانے کی شیریں ادا بھاگیہ نگر کی بھاگ متی کا دیوانہ تھا۔ دیوانہ نہیں پروانہ تھا۔ دیوانہ ہم بکار خود ہشیار است لیکن پروانہ! منزل ہوش سے کوسوں دور مرالینا اور جان دینا یہ ہے پروانے کا دستور۔ ہاں تو "نامیردہ" "شہزادہ" دیوان شاہی سے نکلا پہنچا رود موسیٰ کے کنارے دیکھا ندی کے اس طرف بھاگ متی کھڑی اشارے کر رہی ہے۔ جان سے زیادہ پیاری معشوقہ اشارہ ہی اشاروں میں بلا رہی ہے۔ بلا ٹے اور یہ نہ جائے ایسا ہو نہیں سکتا۔ ڈال دیا گھوڑا ندی میں۔ حالانکہ طغیانی آب کا منظر وحشتناک تھا۔ دوسرے کنارے پر جا کے دیکھا تو بھاگ متی نظر نہیں آئی۔ حسن کی کرامت کا قائل ہوگیا۔

ڈاکٹر صاحب کو میں نے مخلوق خدا کا عاشق کہا ہے۔ دیکھاؤں ان کا عاشقانہ انداز؟

یہی موسیٰ ندی چڑھنے لگی۔ بڑھنے لگی۔ بڑھتے بڑھتے دواخانہ میں داخل ہوگئی۔ یہ قیامت نما سیلاب دیکھ کر بیمار، بیماروں کے تیمار دار سب پریشان ہوگئے کیونکہ پریشان نہ ہوتے؟

"جان جاتی دیکھائی دیتی ہے"

چونکہ ڈاکٹر صاحب کو اپنی جان پیاری نہیں۔ خدا کی مخلوق پیاری ہے اس لئے ہوش وحواس اب بھی برسرِ کار ہیں۔ باور ہے کہ ایسے

موقع پر ہوش و حواس کی بحالی نقصان عشق کی وسیل نہیں ہوسکتی۔ خیر
کماٹی، وارڈبائے، نرس، کمپونڈر اور مڈیکل افسر حملہ ماتحتین سے کہتے ہیں
"یہ وقت رائیگاں کھونے کا نہیں"
شفاخانے میں جو جو مریض خود چلے جا سکتے ہیں ان کو جانے کی
اجازت دے دی۔ ایک مریض کے پاس خود جاتے ہیں جس میں امداد سے
چلنے کی سکت ہے سہارا دیکر سیڑھی کے ذریعہ سے اس کو مسجد افضل گنج
میں داخل کر دیا۔ تمام ماتحتین نے ڈاکٹر صاحب کی تقلید کی۔ ماتحتوں کی
تعداد کچھ کم نہیں۔ ذرا سی دیر میں بیسیوں بیمار باسانی مسجد میں پہنچا دیئے
جاتے ہیں۔ اب ایسے بیماروں کی باری آئی جس میں اٹھ کر بیٹھنے کی بھی
تاب نہیں۔ پائینتی ڈاکٹر صاحب اور ایک وارڈبائے سرہانے ڈاکٹر عبد
الغفور صاحب اور ایک نرس اٹھالیا۔ ان چاروں نے بیمار کو بستر سمیت
لٹادیا اسٹریچر پر۔ لے چلے مسجد کی طرف۔ ایسی صورت میں ایک سیڑھی
کیا کفایت کر سکتی اور ایک سیڑھی منگوالی کچھ فاصلہ سے اس کو بھی قایم
کر دیا اب خود ہٹ گئے نرس کو بھی ہٹا دیا۔ ڈاکٹر عبدالغفور شہزور
تھے ان کو رہنے دیا ان کی جگہ پر۔ نوجوان طاقتور وارڈبائے سے
کہا۔ غلام رسول تم اور ڈاکٹر عبدالغفور دونوں مل کر اس کو اوپر لے
جا سکتے ہیں۔ غلام رسول اور ڈاکٹر عبدالغفور دونوں نے ایک خاص انداز
سے اسٹریچر اٹھایا چلے آہستہ آہستہ زینہ بہ زینہ اوپر چاندنی تک جاکر ان
ملازمین کے حوالے کر دیا جو مسجد کی سطح مرتفع پر اسی غرض سے استادہ
کرائے گئے ہیں ایسے مریضوں کی تعداد تیس چالیس سے زیادہ نہیں۔
دفعتاً بیمارستان بیماروں سے خالی ہوگیا۔ ڈاکٹر صاحب نے

اطمینان کا سانس لیا۔

یکایک دوائیوں کا خیال آیا۔

میڈیکل اسٹور کی راہ لی۔ اسٹور کیپر کو ضروری ہدایتیں کیں۔ معاً اجناس خوردنی کا دھیان آیا۔ دوڑے مطبخ کی طرف۔ اسٹیورڈ سے کچھ کہا۔ اسٹیورڈ سے کچھ کہنے کے بعد تیزی سے اپنے بنگلہ کی جانب لپکے۔ ڈاکٹر صاحب کے متعلقین کی مستعدی کا کیا کہنا۔ بالکل تیار تھے فوراً ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ ادھر ان لوگوں نے مسجد میں قدم رکھا ادھر ان کا بنگلہ زمین دوز ہو گیا۔

نظامت طبابت کے ایک مراسلے کا جواب ڈاکٹر صاحب یوں ادا فرماتے ہیں۔

"میں سامان سرکاری جہاں تک ممکن ہوا بچاتا رہا۔ بیماروں کے بچاؤ کا بہت سا انتظام کیا۔ میں نے اپنی جان و مال کی بالکل پرواہ نہیں کی"

سچ ہے قدردانِ مخلوق خدا جن کو مخلوقِ خدا سے عشق کا دعویٰ ہوتا ہے اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے۔

"میں نے اپنے جان و مال کی بالکل پرواہ نہیں کی"

بیشک۔ ڈاکٹر صاحب نے نہ مال کی پرواہ کی نہ جان کی پرواہ کی یہ جملہ نقل کر کے میں جھوم جھوم گیا ؎

از دل خیزد بر دل ریزد

اس مراسلہ کے اجرا کی تاریخ گیارہویں اکتوبر ۱۹۱۰ء ہے۔ چالیس برس سے زیادہ مدت گذر چکی۔ چالیس برس گزریں یا چالیس ہزار برس۔ صداقت صداقت ہی رہے گی۔ بر سبیل تذکرہ اور ایک

بات عرض کروں ؟

طغیانی رودِ موسیٰ نے ہزاروں مویشیوں کو بہا دیا۔ ہزاروں آدمیوں کی جان لے لی۔ ان ہی محشر سامانیوں نے اس کو قیامت صغرا سے موسوم کردیا۔

اس قیامت صغرا کا تصور آج بھی میرے دل کو ہلا دیتا ہے اگرچہ کہ میری عمر اس وقت بارہ سال کی تھی۔ میرا محلہ چنچل گوڑہ طغیانی کی زد میں نہیں تھا۔ لیکن میرے محلے والے اس کو اپنی پیش بینی کے مدنظر مقام متاثرہ سمجھنے لگے تھے۔ چھوڑ رہے تھے اپنے اپنے مکانوں کو اور جا رہے تھے صدر محبس کی طرف چنچل گوڑہ والے ہی نہیں جا رہے تھے بلکہ ہمارے قرب و جوار کے سب محلے جیل کی قریبی بلندی کو اپنا "صدر مقام" بنا رہے تھے۔ جا رہے تھے۔ جان بچانے جا رہے تھے کیا بتاؤں کس طرح جا رہے تھے۔ کسی کے سر پر صندوق۔ کسی کے ہاتھ میں صندوق۔ کسی کے کاندھے پر صندوق۔ صندوق بہت نظر آئے بہت نظر آئے۔ جان کے بعد مال ہی کا تو درجہ ہے۔ بلکہ بعض بوالہوس تو مال کو جان پر بھی ترجیح دیتے ہیں۔ مال کی حفاظت کرتے کرتے مر جاتے ہیں۔ غرض کوئی شخص بے سروساماں نظر نہیں آیا۔ ہاں سراسیمہ سب نظر آئے۔ بچوں سے زیادہ پریشان۔ جواں۔ جوانوں سے زیادہ پریشان بوڑھے کسی کے پاؤں میں جوتی۔ کوئی برہنہ پا۔ پریشانی کی اخیر حد یہ ہے کہ پردہ نشینوں کو اس وقت پردے کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی تھی اور سواری نشین۔ سواری کا انتظار نہیں کر رہے تھے۔ اتفاقی بات ہے کہ مسمی دین محمد نے میرے بڑے بھائی حضرت سید نجم الدین صاحب کی بات اس قیامت میں

بھی نہیں ٹالی ۔ جھٹکہ[1] لاشے ہمارے دروازہ کے سامنے کھڑا کردیا ۔ ہم سب لوگ ماموں حضرت سید سعد اللہ صاحب کے گھر چلے گئے جو صدر تحصیل کے قریب ہے ۔ ندی اتر جانے کے بعد لوگوں کی جان میں جان آگئی تو تماشا بینی کی سوجھی ۔ شاید یہ بھی فطرت انسانی کا تقاضا ہے ۔ میرے ممیرے بھائی حضرت سید یعقوب صاحب نے فرمایا

علی میاں ! سب لوگ جارہے ہیں ۔ اپن بھی جاسینگے ۔

یعنی سب لوگ جارہے[2] ہیں ہم بھی جائینگے ۔ میں بخوشی ان کے ساتھ چلا لیکن ندی کے قریب جاکر گھبرا گیا ۔ آدمیوں کا ہجوم ۔ چادر گھاٹ کا ٹوٹا ہوا پل سکڑی ہوئی لاشیں ۔ میں تو خیر (۱۲) سالہ لڑکا چھوڑیئے مجھ کو ۔ لیکن بھائی صاحب ۲۶ سالہ کڑیل جوان !! وہ بھی "اتری ہوئی ندی" کے پاس زیادہ دیر تک ٹھیرنے کی تاب نہ لاسکے ۔ جو محلے طغیانی کی زد میں نہیں تھے اُن محلے والوں کی پریشانی آپ نے دیکھ لی ۔ جان کتنی پیاری ہوتی ہے ؟ مال کتنا عزیز ہوتا ہے ؟!!

جن امور پر میں نے کافی روشنی ڈالی ہے ان کی تلخیص یہاں عمداً کرتا ہوں ۔

تصور کیجیے دواخانہ کا جو طغیانی کی عین زد میں ہے ۔

سیلاب کی آمد ۔

ساکنان دواخانہ کی سراسیگی ۔

ڈاکٹر صاحب کی مستقل مزاجی ۔ ان کا یہ جملہ بھی ضبط ذہن گرامی رہے

---

[1] اُس زمانہ کی سواری جس کا نعم البدل اب تانگہ ہے ۔ [2] دکھنی تلفظ سُن کے شمالی ہند والے ہنس تو دیں گے مگر مطلب سمجھنے میں دقت محسوس نہیں کریں گے ۔

افضل گنج دواخانہ ۔۔۔ طغیانی سنہ ۱۹۰۸ء کے بعد

"یہ وقت رائیگاں کھونے کا نہیں ہے"

دیکھئے دیکھئے۔ مریضوں کو کس کس طرح مسجد میں منتقل کیا جارہا ہے

سنئے سنئے ۔ میڈیکل اسٹور کیپر سے وہ کیا فرمارہے ہیں۔

سوچئے سوچئے۔ اسٹیورڈ کو انھوں نے کیا کیا ہدایتیں دی ہونگی۔

اچھا ! بیوی بچوں کی باری اب آئی !!

اپنے بنگلے سے ڈاکٹر صاحب مع اہل وعیال اب مسجد میں منتقل ہورہے ہیں۔ ارے رے رے ڈاکٹر صاحب کا دومنزلہ مکان زمین دوز ہوگیا !!

پڑھئے پڑھئے ڈاکٹر صاحب کے مراسلے کا یہ جملہ۔ جملہ نہیں جملے۔

"میں سامان سرکاری جہاں تک ممکن ہوا بچاتا رہا۔"

"بیماروں کے بچاؤ کا بہت سا انتظام کیا۔"

"میں نے اپنی جان و مال کی بالکل پرواہ نہیں کی۔"

فرمائیے فرمائیے ! مخلوقِ خدا کے ایسے مخلص خدمت گذار اور ایسے فرائض شناس عہدہ دار اب کتنے ہوسنگے؟

❊ ❊ ❊

گنڈی پیٹ کا تالاب بن رہا ہے جسے اب عثمان ساگر کہتے ہیں۔ مزدوروں کی کثرت اور عملہ تعمیرات کی بہتات نے مقام مذکور کو ایک چھوٹا سا قصبہ نہیں بلکہ اچھا خاصا شہر بنادیا۔ شہری ضرورتیں سب مہیا کردی گئیں۔ حد یہ ہے کہ وہاں ایک دواخانہ بھی کھول دیا گیا۔ مڈیکل افسر کمپونڈر۔ وارڈ بائے وغیرہ کا تقرر کیا گیا۔ مرضا رجوع ہوتے صحت پاتے تھے۔

ایک دن ایک نوجوان لڑکی لائی گئی۔ لڑکی کا نام سائی اور اس کی ماں کا نام

چنما ہے۔ سائی بے ہوش ہے۔ چنما میڈیکل افسر صاحب کے قدموں پر سر رکھ کر گڑگڑا رہی ہے :-

" سرکار میری بچی سرکار میری بچی "

میڈیکل افسر صاحب نے سائی کو تھوڑی دیر تک دیکھا بھالا اس کے بعد چنما سے کہنے لگے :-

" سرکار میری بچی سرکار میری بچی " کہنا بے فائدہ ہے۔ تیری بچی کا علاج یہاں نہیں ہو سکتا۔ میڈیکل افسر کا یہ فقرہ ادھر پورا ہوا ادھر خواجہ میاں گتہ دار تعمیرات آ گئے۔ اس فقرے سے متاثر ہو کر کہا :-

" تیری بچی اچھی ہو جائے گی "

یہ کہا اور سہارا دیکر سائی کو اپنی موٹر کے پیچھے حصے میں لٹا دیا۔ چنما سے کہا تو بھی بیٹھ جا۔

موٹر دواخانہ افضل گنج میں جا کے رکی۔

لیڈی ڈاکٹر مس پنٹو نے مسماۃ سائی کو رجوع کر لیا۔ مسماۃ چنما کو "پاس" دے دیا۔ کچھ دنوں بعد گتہ دار صاحب سائی کی خبر گیری کے لئے آئے۔ اس دفعہ موصوف نے ڈاکٹر صاحب سے بھی ملاقات کی۔

دوران گفتگو میں کہا۔ میڈیکل افسر دواخانہ عثمان ساگر بڑے بدمزاج ہیں۔ چنما سے صاف کہہ دیا کہ تیری بچی کا علاج یہاں نہیں ہو سکتا۔ مجھ کو ان کا یہ جواب سخت ناگوار ہوا۔ میں اس لڑکی کی مالی مدد بھی کرونگا۔ میرے آدمی کی بے احتیاطی کی وجہ سے اس کو یہ صدمہ پہنچا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا :-

گنڈی پیٹ کا دواخانہ نیا ہے وہاں ایسے آلات جراحی نہیں

جیسے یہاں ہیں ۔ میڈیکل افسر صاحب نے سچ کہا لیکن طرز ادا فروبخت ہے ۔ گنتہ وار صاحب ! آپ ان عورتوں کی مالی مدد کریں گے تو انسانی ہمدردی کا اور زیادہ ثبوت ملے گا ۔"

گنتہ وار صاحب چلے گئے ۔ پھر کسی نے ان کی صورت دواخانہ میں نہیں دیکھی ۔ شاید انسانی ہمدردی کا جذبہ سرد ہو چکا ۔ انتظار کر کر کے ڈاکٹر صاحب نے بتاریخ ۵ ر تیر ۱۳۳۰ف دواخانہ سے ایک مراسلہ اجرا کیا

خدمت گنتہ وار صاحب تعمیرات علاقہ تعمیر گنڈی پیٹھ سرکار عالی

" مسماۃ چِما کی لڑکی سائی کے انگلیوں پر سے رولر جانے کی وجہ سے بیکار ہو گئے ہیں اور وہ زیر علاج دواخانہ ہذا ہے اور ان لوگوں کو خرچ کی سخت تکلیف ہے اس لئے براہ مہربانی آپ نے جو دینے کا وعدہ فرمایا ہے ادا کیا جائے تو ایسے وقت ان کو بہت بڑی امداد ہوگی اور آپ کے حق میں یہ لوگ ہمیشہ دست بدعا رہیں گے ۔ اس واقعہ کا تجزیہ کروں ۔ ؟

گنتہ وار صاحب کے آدمی کی بے احتیاطی کی وجہ سے سائی کے پاؤں کی انگلیوں پر سے رولر گذر گیا ۔ سائی کی ماں کا گڑگڑانا ماما کے مطابق ہے ۔ میڈیکل افسر کا جواب آئین چارہ گری کے مطابق نہیں ۔ گنتہ وار صاحب کی تیز رفتار سواری قانونی رو کو سست کرنے کے لئے ہی انسانی ہمدردی کا کوسوں پتہ نہیں ۔ اس واقعہ میں بھی لائق تعریف کردار صرف ڈاکٹر صاحب کا ہے ۔

میڈیکل افسر عثمان ساگر کی بدمزاجی سے متعلق توضیح کتنی اچھی کی شریف آدمی ایسے ہوتے ہیں ۔ چِما اور سائی کی مدد کرنے کے لئے گنتہ وار صاحب

کو ابھارا کس طرح ؟ ۔ ہمدرد انسان ایسے ہوتے ہیں ۔ اس مراسلے کا یہ فقرہ پڑھئے ۔

" ان لوگوں کو خرچ کی سخت تکلیف ہے ":

" مسائی مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتی تھی ۔ چنا بھی ایک غریب مزدور تھی ۔ سائی بیمار ۔ چنا اس کی تیمار دار دونوں دواخانہ میں ۔ آمد بند ہوجائے تو چنا کے خورد و نوش کے اخراجات کے لئے روپیہ کہاں سے آئے ۔ حساس لوگ ہی یہ راز سمجھ سکتے ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب بیماروں ہی سے واقف نہیں ۔ بیماروں کے تیمار داروں سے بھی آگاہ ہیں ۔ غیر معمولی انتظامی قابلیت رکھنے والے افسر ہی اپنے ادارے کے جزو کل سے باخبر رہتے ہیں ۔ رفاہ عام کے موقع پر فاص الخاص انسان اپنی شخصیت کو بھلا دیتے ہیں ۔ بادشاہ ہیں نواب ارسطو یار جنگ بہادر کو دیکھئے اور ایک معمولی گتہ دار کو دیکھئے ! ۔

" براہ مہربانی آپ نے جو دینے کا وعدہ فرمایا ہے ادا کیا جائے تو ایسے وقت میں ان کو بہت بڑی امداد ملے گی اور آپ کے حق میں یہ لوگ ہمیشہ دست بدعا رہینگے "

" کس قدر عاجزانہ طرز نگارش ہے ۔ مگر اس طرز نگارش سے اثر پذیر کون ہو ۔

— " زر پرست گتہ دار !!

متضررہ سائی کو رجوع دواخانہ کرا دیا اور خیر گیری کے بہانے ایک دفع آکر اطمینان بھی کر لیا کہ مسماۃ مذکور روبہ صحت ہے ۔ ہاں اس کی حالت خطرناک ہوتی یا بیچاری مر جاتی تو اپنے حدود کے منتظم پولیس کی

خدمت میں نذرانہ رسمی پیش کیا جاتا۔ اور چنا کو بھی اپنا اور اپنے بے احتیاط نوکر کا کچھ صدقہ دے دیا جاتا۔

سائی ایک مدت تک دواخانہ میں زیر علاج رہی۔ صحت یاب ہوئی۔ اپنی ماں کے ساتھ اپنے گھر چلی گئی ـــــ لیکن گنہ وار صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے مراسلہ کا جواب ادا نہیں کیا۔ خود ڈاکٹر صاحب نے ان نادار مظلوم عورتوں کو بصیغۂ راز کیا دیا میں کچھ بتا نہیں سکتا۔ البتہ ان شکر گزاروں کی زبان حال کا ترجمان بن سکتا ہوں "جان بچی لاکھوں پائے"۔

جو انسان فطرۃً نیک ہوتے ہیں سب سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ پبلک میں ڈاکٹر صاحب کتنے مہربان تھے آپ نے دیکھ لیا۔ اب یہ دیکھئے کہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر محمد عباس صاحب سینیر سب اسسٹنٹ سرجن کی مدت ملازمت کافی ہو چکی تھی۔ یعنی اٹھائیس سال سے زیادہ۔ تھک گئے تھے۔ آرام پانے کی خواہش ہوئی۔ وظیفہ کی درخواست کردی۔ نظامت طبابت نے حکم دے دیا کہ تختہ جات وظیفہ مرتب کئے جائیں۔ کاروائی صاحب موصوف نے اتنی منزلیں طے کرلیں تو عبدالرحمن صاحب میر منشی نے کہا ڈاکٹر صاحب! ۱۳۲۲ف میں آپ نے ½۵ ماہ کی رخصت بے تنخواہی حاصل کی ہے۔ اوسط حساب ۵؎ سے آپ کے وظیفہ میں ۳روپیہ ۱۴/۹ کی کمی ہوگی اس طرح سالانہ ۱۴/۱ روپیہ کا نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔ مناسب معلوم

۵؎ محاسبانہ اصطلاح

ہوتا ہے کہ آپ آذر سے آخر اردی بہشت ۱۳۲۵ف تک توسیع ملازمت کی استدعا کریں۔ محمد عباس صاحب ڈاکٹر تھے۔ یہ حسابی پیچ وخم کیا جانیں میر منشی صاحب کی رائے کو پسند کرکے عرضی لکھی اور اپنے نیک دل افسر نواب ارسطو یار جنگ بہادر کی اجلاس پر پہنچے۔ عرضی کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

" عالیجاہا! بہت ہی ادب سے عرض پرداز ہوں کہ میں اس کے قبل اپنے وظیفے کے لئے درخواست کر چکا تھا بسبب حصول رخصت خانگی بحالت موجودہ تنخواہ کا نصف مجھ کو وظیفہ نہیں مل سکتا ۱۳۲۵ف میں اخیر اردی بہشت تک توسیع منظور ہونے کے لئے پیشگاہ عالی سے صدر میں سفارش فرمائیں تو عین ماتحت نوازی ہوگی "

نواب صاحب مسکرائے۔ فرمایا کہ:۔

تیر کمان سے نکل چکا۔ آپ کی خواہش کے موافق صدر سے ترتیب تختہ جات وظیفہ کا حکم بھی آگیا۔ پندرہ روز پیشتر درخواست وظیفہ اور آج استدعائے توسیع ؟!

ڈاکٹر محمد عباس صاحب:۔ آپ چاہیں تو میری یہ تازہ استدعا منظور ہو سکتی ہے "

نواب صاحب:۔ " خدا چاہے تو یہ آپ کی تازہ استدعا منظور ہو جائے گی۔ میں نے مزاحیہ انداز میں کہا کہ تیر کمان سے نکل چکا ہے "

اتنا فرما کے دفتر نظامت طبابت کو مراسلہ لکھا:۔

بہ ترسیل نقل درخواست ڈاکٹر محمد عباس صاحب گزارش ہے کہ ان کی استدعا قابل لحاظ ہے آخر اردی بہشت ۱۳۲۵ف تک ان کی توسیع ملازمت فرمائی جائے تو احسن ہے "

۸ اردی بہشت ۱۳۲۴ف کو دواخانہ سے یہ مراسلہ اجرا کیا گیا۔ ۱۰ اردی بہشت ۱۳۲۴ف کو جوابی مراسلہ مل گیا کہ آپ کے حسب سفارش ڈاکٹر محمد عباس صاحب کی توسیع شش ماہ منظور کی جاتی ہے "
سبحان اللہ اس پاکدل مہربان افسر کی تحریر میں کتنا جس تھا سبحان اللہ۔

٭ ٭ ٭

ڈاکٹر نواب ارسطو یار جنگ حدود دواخانہ ہی میں "جاں نثار چارہ گر" نہیں تھے۔ ہر جگہ ہر آن ان کے پاکیزہ کردار کا مظاہرہ ہوتا رہا۔ ۱۳۲۸ف میں طاعون کی کارستانیوں سے تقریبا پورا شہر پریشان تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ہم محلہ لوگوں کے لئے اپنے چندرائن گٹہ والے باغ کو منتقل کر دینا چاہا۔ ڈاکٹر محمد عبدالغنی صاحب پلیگ کمشنر بلدہ سے خواہش کی کہ چند جھونپڑیوں کا انتظام کر دیجئے۔ میں یہ سب کچھ غریبوں کیواسطے کرنا چاہتا ہوں "
ڈاکٹر عبدالغنی وعدہ کرتے رہے لیکن بتاریخ ۴ فروردی ۱۳۲۸ف صاف جواب دیدیا کہ :-
" امسال بوجہ خشک سالی تعمیر کیمپ ہائے جدید کا کام بند کر دیا گیا ہے اس لئے آپ کے باغ میں چھپر نصب کرنے سے معذور ہوں "
یہہ مراسلہ دیکھ کر ڈاکٹر صاحب نے اپنی ذات سے جھونپڑیوں کا اہتمام کیا اور جتنے لوگ کیمپ میں آ ٹھیرے ان کو زمانہ قیام تک روزآنہ صبح شام اپنی ذات سے طعام کا انتظام بھی دو تین ماہ تک کرتے رہے۔
کیمپ کے مرد عورت بچوں کا شمار قریب تین سو کے تھا "

تحریک اور جواب ارباب نظر کے لئے دونوں یکساں سبق آموز ہیں اگرچہ کہ فلسفہ دونوں کا یکساں نہیں ہے

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ ۔ ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ

دونو بزرگ چلے گئے لیکن وہ کس طرح گئے۔ یہ کس شان سے گئے اس کا تصفیہ "عقلاء احباب" کریں۔ "بے اختیاران امروز" "بختیاران فردا" ہونے والے ہیں۔ ان ہونہاروں سے مخلصانہ گزارش ہے کہ اپنے اپنے زمانہ اقتدار کو رائیگاں نہ کھودیں۔ "خیرے کن اے فلاں" کا فلسفہ سمجھیں۔ نیک انسان سے محبت کی گئی نیک انسان سے محبت کی جائے گی۔

٭ ٭ ٭

وطن پسند ڈاکٹر صاحب کتنے ہر دلعزیز تھے اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے ۱۹۱۳ء میں نواب سید جنگ بہادر اسپیشل مجسٹریٹ اضلاع سرکار عالی کے اجلاس پر ایک مقدمہ وکیل سرکار نے پیش کیا۔

"سرکار عالی بنام افضل خاں علت قتل"

تاریخیں بدلتی رہیں۔ مقدمہ چلتا رہا۔ اسپیشل مجسٹریٹ کے دفتر سے اس اثناء میں ڈاکٹر صاحب کے نام ایک مراسلہ اجرا کیا گیا۔

"افضل خاں ملزم نمبر (۱) نے عدالت ہذا میں بدیں استدعا درخواست پیش کی ہے کہ ملزم مذکور کا علاج کرنے کے لئے آپ کو اجازت دی جائے بمنظوری درخواست افضل خاں نگارش ہے کہ اگر آپ چاہیں تو افضل خاں کا علاج محبس میں کر سکتے ہیں"۔

یہ باتیں انتالیس برس ادھر کی ہیں۔ اس زمانہ میں ایسے سخت مجرم شاید محبس سے باہر نہیں نکالے جاتے تھے۔ اب تو "بدرقے" کے

ساتھ ہفتوں دواخانہ میں زیر علاج رہتے ہیں۔ خیر۔ ڈاکٹر صاحب کا "دکن گیر" اثر کیا افضل خاں کی اس التجا سے ظاہر نہیں ہوتا۔؟

موصوف کا اثر "ہندوستان گیر" ہوجاتا اگر وہ دکن سے باہر جاتے لیکن کیوں جاتے؟ شہرت طلب تھے؟ زر طلب تھے؟ جہاں اپنی ضرورت محسوس کی وہیں رہے۔ عقل سلیم کا یہی تقاضا ہے۔ محض طبیب ہی نہیں تھے۔ سیاست داں بھی تھے۔ اس بات کا ثبوت اس کتاب میں آپ کو جا بجا ملے گا۔

بتاریخ ۵ر مارچ ۱۹۲۱ء ایک ضعیفہ نے طفلکہ موہن کو رجوع دواخانہ کراکے کہا:۔

"ڈاکٹر صاحب اس کا علاج اچھی طرح کیجئے۔ صاحبزادی وقار الامراء کی یہ پروردہ ہے"

بارھویں مارچ کو بغیر اطلاع موہن چلی گئی۔

صاحب زادی موصوف کی خدمت میں ڈاکٹر صاحب نے مراسلہ روانہ کیا کہ

"براہ کرم سرکاری کپڑے واپس فرمائے جائیں"

جواب ملاحظہ طلب ہے:۔

ہمارے پاس نہ کوئی موہن نامی لڑکی ہے۔ نہ ہم برائے علاج بھیجے جب ہم کسی کو برائے علاج ڈاکٹر خانہ میں بھجواتے ہیں تو ڈاکٹر اسطو یا۔ کو چٹھی لکھ کر بھجواتے ہیں۔

لیاقت النساء بیگم
۹ شعبان ۱۳۳۹ ف

اس زمانہ میں "عورت ڈلّہ" قسم کی بوڑھیاں ایسا وصندا اکثر کیا کرتی تھیں۔ یہاں ہم کو نہ ضیعفہ سے غرض۔ نہ طفلکہ سے مطلب دکھانا یہ چاہتے ہیں کہ بندگان عالی ہوں یا بندگانعالی کے رشتہ[ف] دار بوقت ضرورت سب نے ڈاکٹر ارسطو یار جنگ ہی کو یاد کیا۔

علاوہ ازیں دکن میں کوئی ایسا بھی امیر ہوگا جو بوقت ضرورت ان کو یاد نہ کرتا ہو کیا امیر کیا غریب ڈاکٹر صاحب کے معتقدوں سے دکن بھرا پڑا تھا۔ غلام رسول وارڈ بائے کا بیان ہے کہ ڈاکٹر صاحب موٹر سے اترے۔ خواب گاہ میں گئے۔ دستار اتاری۔ زیادہ تھک گئے تھے۔ شیروانی اتار نہ سکے۔ بستر پر دراز ہو گئے۔ نیم غنودگی کا عالم تھا۔ آواز آئی!:-

ڈاکٹر صاحب۔ جناب ڈاکٹر صاحب

ساتھ ہی اور ایک باریک[ن] دھیمی سی آواز آئی!:-

" رات کے دو بجے بھی سونے نہیں دیتے۔ سرکار سو گئے "

دوسری آواز سنتے ہی ڈاکٹر صاحب کی نیم غنودگی والی حالت کافور ہو گئی فرمانے لگے:-

" یہ نوکر چاکر کیوں ایسا کرتے ہیں؟ ان کو کیا معلوم کہ تکلیف کیا ہوتی ہے۔" اتنا کہا۔ فوراً اٹھے۔ شیروانی تو پہنے ہوئے تھے۔ سر پر دستار رکھا باہر نکلے اور اس پریشاں حال آدمی کے ساتھ ہو گئے جو ایک جاں بلب مریض کا علاج کرانا چاہتا تھا۔ وارڈ بوائے غلام رسول کے بیان کی تکمیل نہ ہوگی اگر

ف لیاقت النساء بیگم صاحبہ موصوفہ مغفرت مکان، فضل الدولہ کی حقیقی نواسی کتنی قریبی رشتہ داری ہے۔ ن یہ آواز ماما کی تھی۔

میں یہ جملہ نہ لکھوں!

ڈاکٹر صاحب کی اکثر راتیں اسی طرح گزر گئیں۔

ڈاکٹر صاحب کی سیرت کیا ہے؟ زہد و تقویٰ علم و عمل کا دل آویز مرقع۔ دعا ہے کہ ایسی پاکیزہ مثالیں ہر دور میں زیادہ نظر آئیں۔

ڈاکٹر صاحب نے مسمی شیخ جہانگیر متعینہ آب خاصہ مبارک آور وہ نواب فیاض الملک بہادر کا علاج کیا۔ بعد صحت نامبردہ کو خارج بھی کر دیا شیخ جہانگیر کو ڈاکٹر صاحب سے اب کیا واسطہ؟ کچھ بھی نہیں اس کے کیا معنی۔ بہت کچھ ہے ملاحظہ فرمائیے۔ یہ مکالمہ:-

شیخ جہانگیر:- سرکار میری ایک مہینہ اور بائیس دن کی تنخواہ ضبط کر دی گئی۔

ڈاکٹر صاحب:- یعنی تم جتنے دن دواخانہ میں زیر علاج رہے۔ وہ غیر حاضری میں محسوب کئے گئے؟

شیخ جہانگیر:- جی ہاں سرکار۔

ڈاکٹر صاحب:- ٹھیرو نواب اظہر جنگ بہادر کے نام ایک چٹھی لکھ دیتا ہوں۔

"مسمی شیخ جہانگیر میرے زیر علاج رہا ہے۔ سنا گیا ہے کہ اس کو تنخواہ نہیں دی گئی۔ اس گرانی میں اس کو تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے سخت پریشان ہے۔ براہ مہربانی نامبردہ کو تنخواہ دی جائے تو بعید از انصاف نہ ہوگا۔ میں آپ کا نہایت ممنون و مشکور ہوں گا۔ اس انصاف پروری سے آپ کو اجر ہوگا۔"

چٹھی دے کر۔ "تمہاری پوری تنخواہ مل جائے گی۔ اب جاؤ۔"

دوسرے دن شیخ جہانگیر نے ایک مراسلہ[1] ڈاکٹر صاحب کو دیا۔

پڑھئے اسماء کاتب و مکتوب الیہ :-

منجانب نواب اظہر جنگ بہادر صدر مہتمم کوٹھیات انگریزی و منتظم پیشی خداوندی۔

بخدمت شریف جناب نواب ارسطو یار جنگ بہادر مہتمم دواخانہ افضل گنج سرکار عالی۔

پورا مراسلہ پڑھ کر ڈاکٹر صاحب مسکراتے۔ اچھا ! تم کو تنخواہ کل ہی مل گئی !!

جواں آب خاصہ مبارک شیخ جہانگیر یا پائیندگان عالی کے ہم کفو خسر نواب خورشید الملک بہادر علیل ہوں سفر ہو یا حضر ہو۔ بندگانعالی ہمیشہ نواب ارسطو یار جنگ بہادر کو یاد فرماتے قلعہ ارک اورنگ آباد سے مولوی احمد حسین صاحب معتمد پیشی ڈاکٹر صاحب کو مخاطب کرتے ہیں :-

بخدمت ڈاکٹر عبد الحسین ارسطو جنگ بہادر

اعلیٰ حضرت نے سماعت فرمایا ہے کہ خورشید الملک بہادر بیمار ہیں۔ لہذا حسب الحکم اقدس نگارش ہے کہ آپ اکرم بہادر موصوف سے مل کر اون کے مرض کی تشخیص کر کے اوس کی کیفیت آپ کی رائے کے ساتھ تحریر کی جائے تاکہ ملاحظہ خداوندی میں گذاری جائے۔

ڈاکٹر صاحب کا جواب بھی دیکھنے کی چیز ہے۔

جناب مولوی احمد حسین صاحب معتمد حضور پر نور

[1] تاریخ اجراء مراسلہ ۲۷ ر اسفندار ۱۳۲۵ف م ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

بجواب نامۂ گرامی مورخہ ۲۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۳ گذارش ہے کہ حسب الحکم بندگان عالی نواب خورشید الملک بہادر کو بتاریخ ۲۱ اردی بہشت دیکھا ان کو ڈیابیٹس کا مرض ہے اور ضعف و نقاہت بھی زیادہ ہے "

دیکھئے ڈاکٹر صاحب کے مراسلے میں جوابا نگارش نہیں گذارش ہے معتمد حضور پر نور کا اعزاز ملحوظ تھا لیکن تصنع منظور نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی بجائے اور کوئی "خوشامدی" کاتب ہوتا تو کیا کیا کچھ نہ لکھ ڈالتا۔

اقربائے سرکار کے علاوہ ملازمین شاہی بھی ان کے زیر علاج رہے ملازمین شاہی بھی جن کی تفصیل یہاں مناسب نہیں۔

ایک فرمان شاہی بھی ملاحظہ ہو۔

"مبارک مینشن"

ڈاکٹر عبدالحسین صاحب ارسطو یار جنگ بہادر

پرسوں بچہ تولد ہوتے وقت تم نے بہت کچھ اس کام میں مدد دی اور ایک زمانہ سے میرے ہاں عند الضرورت بڑی دل دہی اور جفاکشی سے کام کیا کرتے ہیں جسکی میں دل سے قدر کرتا ہوں۔ چنانچہ تمہارے لئے ایک جڑاوی بگلوس بہ شکل گربہ روانہ کیا ہوں۔ علاوہ اس کے دو شیروانیاں اطلس کی بھیجے گئے ہیں۔ وصول سے اطلاع دیجائے۔ مورخہ ۲۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۱

شرحد تخط سرکار عالی

خسرو دکن کی بلاغت نظر نے ڈاکٹر صاحب کو نوازا بھی بہت۔ حتیٰ کہ سررشتہ طبابت کا افسر اعلےٰ بنادیا اس زمانے میں باستثنائے لفٹنٹ کرنل بی جیون سنگھ سی آئی۔ آئی۔ ای ایم۔ ایس ناظم طبابت گورے ہی

گورے ہوتے تھے ۔ لاری ۔ گملٹ ۔ شور اور براکمین وغیرہ یوروپین بھی تھے ۔ آئی ۔ ایم ۔ ایس بھی۔ "لفٹنٹ کرنلی" کا رینک سونے پر سہاگا ۔ لفٹنٹ کرنلی کا رینک تو خیر بڑی چیز ہے ہمارے ڈاکٹر صاحب میجر بھی نہیں۔ کیپٹن بھی نہیں۔ لفٹنٹ تک نہیں ۔ ایف آر ۔ سی ۔ ایس اور ایم ڈی کا درجہ تو خیر بڑا ہی ٹھیرا ۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب ایل ۔ آر ۔ سی ۔ پی نہیں ۔ ایم بی بی ایس تک نہیں ۔ مدرسہ طبیہ حیدرآباد کے ابتدائی سند یافتہ ۔ لیکن اس ارسطو فطرت کی جلاء ذہنی کا یہ عالم کہ ایل آر سی پی اور ایف آر ۔ سی ایس تک شاگردانہ آداب بجالاتے۔ ڈاکٹر صاحب نے کسی کو پکارا ساتھ ہی جواباً آواز آتی ! ۔

ارشاد حضرت ۔ حضرت ابھی آتا ہوں

نواب رستم یار جنگ بہادر یعنی ڈاکٹر کورلا والا ایف آر سی ایس جنہی کی خدمت کے لئے کس کی ماتحتی میں ٹرینڈ ہوئے ؟ ان ہی کی خدمت فیض درجت میں ۔ ڈاکٹر ہرمزجی چینائی ایل آر سی پی اور میجر اشرف ایم بی سی ایچ بی کو ادباً ان کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے خود میں نے دیکھا ہے بخلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ ڈاکٹر نواب ارسطو یار جنگ کی فطری صلاحیتوں سے سب مطیع تھے ۔

سر اکبر حیدری حیدرآباد آنے سے قبل صوبہ بمبئی میں ڈپٹی اکونٹنٹ جنرل Deputy Accountant General تھے ۔ یہاں اکونٹنٹ جنرل بنادیئے گئے بعد ازیں ان کو معتمد عدالت وکوتوالی وامور عامہ سرکار عالی

لہ دکھنی لوگ حضرت کہتے تھے ۔ غرض ان کی عظمت کا سکہ ہر دل پر بیٹھا ہوا تھا۔

بنایا گیا۔ اس مقام پر پہنچ کر وہ اپنی اعلیٰ قابلیت اور ان تھک محنت سے نصف سے زیادہ ملکی امور پر حاوی ہو گئے۔ ملک کے سب سے بڑے دواخانہ سے کون بے نیاز رہ سکتا ہے موصوف نے یہ ارادہ امداد و اجیں مہتم دواخانہ افضل گنج کو اپنا نیازمند بنانا چاہا۔ ایک موقع ہاتھ آ گیا۔

۲۳ رجولائی سنہ ۱۹ء ۶-۴۵ شام کو (۵) زخمی دواخانہ میں بغرض تیمارداری لائے گئے۔ اس وقت دواخانہ میں ڈاکٹر عبدالنور سینیر میڈیکل افسر (C. M. O) کے فرائض انجام دے رہے تھے۔

۲۴ رجولائی کو محکمہ معتمدی عدالت وکوتوالی و امور عامہ سرکار عالی سے ایک نیم سرکاری نواب ارسطو یار جنگ بہادر کو دستیاب ہوا۔ توبہ۔ غلط کہا میں نے۔ نیم سرکاری کے اصلی مخاطب نواب خدیو جنگ بہادر تھے البتہ اس کی ایک کاپی نواب ارسطو یار جنگ بہادر کو دی گئی تھی۔ اس (D. O.) میں زیادہ زور *There was only a sub Asst Surgeon at hospital.* پر دیا جارہا ہے۔ پہلے میں یہاں پوری نیم سرکاری کی نقل پیش کرتا ہوں

My dear Khedive Jung:-

The commissioner of police phoned to me last night that there was only a sub assistant surgeon at the hospital at about 6-45 where five wounded men were taken to the Afzal Gunj Hospital. Mr. Arastoo yar Jung came at about 7 O'clock

and attended to the patients, there was no light and they had greatest difficulty having the cases attended to. I went this morning to the hospital and learnt the statement, that there was only a Sub-. assistant Surgeon in-charge. at that time, was correct that although Dr Arastoo Yar Jung came in soon after Mr. Kareem ab'ias did not turn up till about 8-30. while Dr Coorle wala although repeatedly send for did not come until the morning. This state of affairs calls for immediate notice and I should be glad if you let me know

1. What action you re- commended to be taken with regard to the officers who may be in fault and.

2. What orders are necessary for the future.

Kindly treat the matter

as exceedingly urgent

Yours sincerely

Sd/-

(A. Hydry)

Copy to Nawab Arastoo yar Jung Bhadur for information and necessary action.

کیا حادثات اتفاقی کے لئے ایک ڈاکٹر کافی نہیں ؟

۹ ساعت صبح کو جتنے ڈاکٹر کارگذار رہتے ہیں کیا ۷ ساعت شام

کو بھی اتنے ہی ڈاکٹر برسرکار رہیں ؟

صرف ایک ڈاکٹر کی موجودگی پر زور دے کر ڈاکٹر نواب ارسطو یار

جنگ بہادر مہتمم شفاخانہ کی آمد کا وقت بتایا گیا ہے ۔

مقصد تھا کہ نواب ارسطو یار جنگ بہادر کو جو امداد مطلوب ہے وہ

اُن سے حاصل کرکے ضروری کارروائی نواب خدیو جنگ بہادر کریں گے ۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا ۔ ادھر سے حیدری صاحب کی نیم سرکاری آئی اُدھر سے

نواب خدیو جنگ بہادر کا مراسلہ پہنچا ۔ نقل نیم سرکاری پیش کردی گئی ہے

مراسلہ کا اقتباس اس کے سوائے کیا ہوسکتا ہے کہ

" از راہ کرم تشفی بخش تفصیلی واقعات پیش فرمائے جائیں ۔"

ڈاکٹر صاحب نے تشفی بخش تفصیلی واقعات اس طرح پیش فرمائے

کرنل ڈریک براکمین صاحب سابق سپرنٹنڈنٹ نے جو انتظام کہ اپنی

موجودگی میں کیا تھا اس طریقہ پر اسسٹنٹ سرجن و سب اسسٹنٹ سرجن ڈیوٹی

کے لئے متعین کئے جاتے ہیں ۔ اور ۲۳ جولائی کو حسب عمل درآمد ڈاکٹر

عبدالنور صاحب سب اسسٹنٹ سرجن کی ڈیوٹی صبح ۷ بجے سے تھی جس

وقت زخمی دواخانہ میں لائے گئے وہ حاضر تھے ۔ زخمیوں کے آتے ہی

مسٹر گاڈفر نے مجھے اطلاع دی اور میں اسی وقت چلا آیا اور رات کے

بارہ بجے تک مصروف بکار رہا ۔ ۲۳ جولائی دالانتظام سابق کے موافق

تھا ۔ جن ڈاکٹر صاحب کی ڈیوٹی تھی وہ غیر حاضر نہیں تھے ۔ ایسی صورت میں

کوئی شکایت کا باعث نہیں ہوسکتا ۔ اس پر بھی جو ارشاد ہوگا اس کی

تعمیل کا فخر حاصل کرونگا"

حیدری صاحب کی نیم سرکاری کا جواب۔ اور زیادہ تفصیل سے ادا کیا۔

"دواخانہ ہذا کی ڈیوٹی کا انتظام ڈاکٹر براکمین کے زمانے سے جس طرح قائم ہے اسی طریقہ پر بزمانہ لانکسٹر صاحب رہا اور اس وقت تک بھی بدستور قائم ہے۔

تین میڈیکل افسر اس کام کے لیے متعین کیے گئے ہیں دو اسسٹنٹ سرجن اور ایک سب اسسٹنٹ سرجن ہر ایک باری باری سے اپنی مفوضہ ڈیوٹی کو انجام دیتا ہے۔ ڈیوٹی کا طریقہ عمل یہ ہے :۔

(۱) ہر روز ایک میڈیکل افسر کی ڈیوٹی ہوا کرتی ہے اور وہ اپنے فرائض کا ذمہ دار اس وقت تک قرار دیا گیا ہے جب تک اس کی ڈیوٹی ہے۔

(۲) ڈیوٹی کے روزآنہ اوقات (۲۴) گھنٹے ہیں آج ۷ بجے سے کل سات بجے صبح تک۔

(۳) جس روز میڈیکل افسر کی ڈیوٹی نہ ہو (آف ڈیوٹی ہو) وہ روزمرہ حسب عادت دواخانہ کا کام ختم کرنے کے بعد کسی قسم کی حاضری کا پابند نہیں سمجھا جاسکتا۔

(۴) ہر ایک میڈیکل افسر مساوات کے ساتھ اپنی اپنی ڈیوٹی کو انجام دیتا ہے اور ایک ہی طریقے پر ذمہ داریاں عائد کی گئی ہیں۔ اس استفسار کی نسبت کہ ہوس سرجن کے خانہ میں ہر ایک میڈیکل افسر کا نام کیوں درج کیا جاتا ہے؟ عرض ہے کہ ہر میڈیکل افسر جو مقررہ ڈیوٹی پر دواخانہ میں رہتا ہے وہ بحیثیت ہوس سرجن تاختم ڈیوٹی سمجھا جاتا ہے۔

عالیجناب نے تحریر فرمایا ہے کہ بتاریخ ۲۳ر جولائی ایکٹ ہی

سب اسسٹنٹ سرجن ڈیوٹی پر موجود تھا۔ اور ڈاکٹر کریم عباس صاحب ۱۲ ۷ بجے آئے تو واضح ہو کہ وہ ان کی ڈیوٹی کا دن نہیں تھا۔ چونکہ ان کو حدود دواخانہ میں سرکاری مکان دیا گیا ہے آ گئے تھے۔ جب کبھی زیادہ میڈیکل افسروں کی ضرورت ہوتی ہے بلوا لئے جاتے ہیں۔ جس طرح اس روز میں بھی دواخانہ میں حاضر ہو گیا۔

اب رہا انتظام جدید کے متعلق جیسا عالیجناب خیال فرمائیں عمل کیا جائے گا۔ لیکن میری رائے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عالیجناب اور عالیجناب ناظم صاحب طبابت جس میں میری حاضری بھی ہو مشورے کے ساتھ انتظام فرما لیا جائے تاکہ آیندہ اس پر عمل ہو سکے۔ اس پر جیسا ارشاد ہو تعمیل کی جاتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے کرنل براکین وغیرہ تجربہ کار یوروپین افسروں کے نام لئے اور اس طرح دواخانہ کی انتظامی حالت پر روشنی ڈالی کہ حیدری صاحب بھی مطمئن ہو گئے اور اس کارروائی کو آگے نہ بڑھائے۔

حیدری صاحب ابتدا ہی سے پورے ملک پر اپنی ان تھک محنت اور صلاحیت کار سے اپنی دھاک بٹھا کے رہے۔ فرش زمین سے اٹھے اوج فلک پر پہنچ کے رہے۔ صدر محاسبی کے عہدہ سے آغاز اور خدمت جلیلہ صدارت عظمیٰ پر انجام۔ مہاراجہ بہادر کے سامنے بصد ادب اہم اہم کارروائیاں بھی پیش کیں اور مہاراجہ بہادر سے صدارت عظمیٰ کا جائزہ بھی لیا۔ انتا کامیاب کاردان اور سیاست داں دکن کی تاریخ دکھا تو دے۔ نواب مختار الملک سر سالار جنگ کا معاملہ جدا گانہ سمجھئے۔ وہ اپنے زمانے کے فرد وحید تھے یہ اپنے زمانے کے وحید العصر۔

کجا بود مرکب کجا تاختم

ذکر کس کا تھا۔ تذکرہ کس کا چھیڑ دیا۔ المختصر حیدری[1] صاحب کو بھی ڈاکٹر صاحب کی فریضہ شناسی، مستعدی اور دوسرے فضائل انسانی کا قائل ہونا پڑا۔ قایل نہ ہوتے تو ڈاکٹر صاحب کا جواب دیکھ کر اس طرح خاموش ہو جاتے ؟!

ٗ ٗ ٗ

ڈاکٹر صاحب قواعد و ضوابط کے سخت پابند تھے۔ خلاف ضابطہ عمل خود تو کیا کرتے اوروں کو ٹوک دیتے۔ اپنوں کو روک دیتے۔ سیکڑوں میڈیکل افسروں میں ایک بھی ایسا نہ ہوگا جس نے کورٹ کی صورت نہ دیکھی ہو۔ زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے رہیں، صداقت نامے دیتے ہیں۔ بغرض ادائے شہادت عدالت کی سیڑھیاں چڑھتے ہیں۔

ناظم عدالت ضلع اطراف بلدہ نے ایک مقدمہ کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کو طلب کیا۔ مراسلہ عدالت کا فقرہ مختتمہ یہ ہے۔

"درصورت عدم حضوری آپ کے حسب ضابطہ کارروائی کی جائیگی۔"

ڈاکٹر صاحب نے اسد اللہ صاحب سے جواب لکھوا دیا کہ

"مراسلہ کل بوقت شام وصول ہوا چونکہ آج مجھ کو اشد ضروری سرکاری

---

[1] حیدری صاحب میں بہت سی خوبیاں تھیں۔ ریاست کا پایہ ان کی بدولت جاندار ہو گیا۔ سررشتہ تعلیمات کو انھوں نے وسیع سے وسیع تر کر دیا۔ طبابت اور صحت عامہ کی بڑی بڑی اسکیمیں ان کی منت پذیر ہیں۔ بعض ان کی ہر دلعزیز کوششیں بھلائی نہیں جا سکتیں۔

کام دواخانے میں متعلق علاج مریضاں لاحق ہے۔ لہذا میں آج اس وقت حاضری سے معذور ہوں۔ مولوی سید اسداللہ صاحب ملازم سررشتہ کو منجانب خود بھیج رہا ہوں۔"

مراسلہ لکھوا کر ہنسے۔ اسداللہ صاحب بھی زیرلب مسکراتے ہنستے ہوئے فرمانے لگے۔ آپ نہ جائیے۔

سنجیدہ مذاق برا نہیں معلوم ہوتا۔ ڈاکٹر کا فریضہ ڈاکٹری ادا کرسکتا ہے۔ عدالت دارالقضا میں طلب زوجہ۔ طلب نفقہ اور اسی قسم کی مقدمہ بازی ہوتی رہتی ہے۔ بتاریخ ۲۴ر شہریور ۱۳۲۱ف مولوی مسعود علی صاحب محوی ناظم دارالقضا نے ڈاکٹر صاحب کو مخاطب فرمایا :۔

مدعی مسمی اللہ بخش کی جانب سے طلب زوج کی نالش دائر ہوئی ہے۔ مدعی علیہا مسماۃ فیض بی کہتی ہے کہ نامبردہ عنین ہے۔ آپ اس کا طبی معائنہ فرمائیے۔

ڈاکٹر صاحب نے جواباً لکھا کہ :۔

"مسمی اللہ بخش کا طبی معائنہ کیا گیا۔ اس میں کوئی نقص نہیں پایا گیا۔ رجولیت موجود ہے۔"

اب محوی صاحب کی ناظمانہ شگفتگی اور شاعرانہ خوشدلی دیدنی ہے :

عدالت نے فریقین میں متقاربت کی اجازت دی۔ مدعی کا بیان ہے کہ :۔

"بربنا حکم عدالت میں فیض بی پر قادر ہو گیا۔ لیکن فیض بی کو اس سے بالکل انکار ہے۔"

کسی حالت میں بھی ڈاکٹر صاحب دائرہ تہذیب سے باہر نکلنا

نہیں چاہتے۔

بربنائے حکم عدالت ۔۔۔۔ پر متبسم ہوئے مگر فیض بی کو اس سے بالکل انکار ہے" پر موصوف کا چہرا تمتما گیا۔ کیونکہ مسمی اللہ بخش کا طبی معاینہ کر چکے تھے، جواب دیا کہ

" مسمی ایونس ایل ارسی پی اینڈ ایس سینیر ویزیٹنگ لیڈی ڈاکٹر وکٹوریہ زنانہ ہاسپٹل کو بغرض معائنہ مسماۃ فیض بی تحریر کر دیا گیا ہے۔ آپ مسماۃ مذکور کو وہاں براہ راست بھیج دیجئے۔

فیض بی کو انکار نہیں۔ بالکل انکار ہے !! ڈاکٹر صاحب سمجھ گئے کہ دال میں کالا ہے۔ مس ایونس کا انتخاب کیا۔ یعنی توہر کی لکڑی سے توہر جھڑائی جائے۔

مس ایونس : یوروپین عورت۔ یہ گربہ چشم کنواری کیا جانے کہ حیا کس چڑیا کا نام ہے۔ اس کی تقریر بھی بے باکانہ۔ اس کی تحریر بھی سفاکانہ۔ موصوفہ نے حضرتہ فیض بی صاحبہ کا پول کھول کے رکھدیا۔

مس ایونس کا خط ( ) میں نے بچشم خود دیکھا ہے میرا محتاط قلم اس کو نقل نہ کر سکا۔ نقل کرنا کچھ ایسا ضروری بھی نہیں۔ بالغ نظر سب کچھ سمجھ گئے ہوں گے۔

القصہ پیرایہ آغاز ایں مقدمہ ایں بود

مدعی مسمی اللہ بخش کی جانب سے طلب زوجہ کی نالش دائر ہوتی ہے۔ مدعی علیہا مسماۃ فیض بی کہتی ہے کہ نامبردہ عنین ہے۔

نوبت بایں جا رسید :۔

بربنائے حکم عدالت میں فیض بی پر قادر ہو گیا۔ مسمی اللہ بخش بربنائے

حکم فطرت قادر ہوا یا بربنا حکم عدالت ؟ ۔ زندہ دل ڈاکٹر صاحب کے تبسم کا راز شاید یہی جملہ ہو !

٭ ٭ ٭

رحمدل ڈاکٹر صاحب کبھی کبھار "سخت گیر" بھی نظر آتے اور ان کی سخت گیری رحمدلی کی طرح مفید انسانیت ثابت ہوتی ۔ ان کے ایک گھریلو نوکر مسمی وادے صاحب نے ایک دفعہ چھٹی کا نوکرا چرایا ڈاکٹر صاحب انجان ہو گئے ۔ دوسرے دفعے میں اس نے اس سے زیادہ جسارت کی ۔ ڈاکٹر صاحب نے مہتم صاحب کو توالی ضلع اطراف بلدہ کو لکھا :-

جناب من ! تسلیم ۔ میرے باغ واقع چندرائن گٹہ میں جو چوری ہوئی جس کی اطلاع آپ کو اسی وقت میں نے دی تھی غالباً آپ نے مہربانی سے کچھ سعی فرمائے ہونگے ۔ یہ شخص جو اس کے ساتھ آپ کی خدمت میں روانہ کیا گیا ہے مسمی وادے صاحب میرے باغ کا مالی ہے ۔ اکثر لوگوں سے یہ معلوم ہوا کہ اس نے صندوق لے جا کر گاؤں میں مختلف مکان میں رکھنے گیا تھا ۔ اب گاؤں والے ڈر کر نہیں کہتے ہیں ۔ مسمی عبد الکریم ایک شخص نے اس وادے صاحب کے ہمراہ کہلایا تھا کہ تمہارے باغ کے دار وغہ کو مجھ سے ملنے کہو ۔ میں مال کا پتہ لگا دیا ہوں مگر اس وادے صاحب نے اس کو اطلاع نہیں دی اس کے خفا کرنے سے بھی اسی کا گمان زیادہ معلوم ہوتا ہے ۔ براہ مہربانی اچھی طرح

یہاں اور آخر تک پر بات آسانی سمجھ میں آرہا ہے ۔

تفتیش فرمائی جائے "

دادے صاحب کو بازہا نصیحت کی ۔ بے نتیجہ ۔ نتیجہ اس کج فہمی کا ؟ گالی گلوج ۔ زدوکوب ۔ اُس عہد کے پولس ڈکشنری میں بھائی ۔ میاں ۔ بابا ۔ دادا کہاں ؟ دادے صاحب کا تیل نکل گیا ۔ یہ سزا دادے صاحب کے حق میں جزا ہوگئی ۔ پھر کبھی نامبردہ " نیم مردہ " نے اس قسم کا اقدام نہیں کیا ۔

۱۹۵۱ء میں دودھ کے گتہ دار مسٹر گوری شنکر چھیلات سے تھے ان کا ملازم دھنو گوالہ بنڈی میں گھاس اور اسی قسم کی چیزیں مویشیوں کے لئے لایا کرتا تھا ۔ سرراہ صرف خاص کے " بازارت والے " کوتوالی کے ملازمین اور بلدیہ کے کارکن مزاحم ہوتے ۔ تنگ آکر ایک دن دھنو نے ڈاکٹر صاحب کے آگے اپنی دقتیں بیان کردیں ۔ اسی وقت ڈاکٹر صاحب نے اپنی منشی کے اہلکار ٹریویکرم نائڈو صاحب سے فرمایا لکھئے !

" پروانہ اطلاع خدمت جمیع اہلکار صاحبان سرکار عالی بلدہ یہ بنڈی دھنو گوالہ ملازم گوری شنکر چھیلات گتہ دار دواخانہ افضل گنج کی ہے جو مویشیوں کے لئے ہری کڑوی وغیرہ متفرق مقامات سے لانے کے لئے جایا کرتی ہے ۔ براہ کرم اس کو روکنے کا قصد نہ فرمایا جائے تو احسن ہے !

(۲) اگر اس کے مویشیوں کو بروقت چارہ نہ پہنچے تو دودھ کی سربراہی میں دقت کا سامنا ہوگا اور مریضوں کو تکلیف ہوگی "

حکمت عملی ایسی ہوتی ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب نظامت طبابت سے مراسلت فرماتے۔ وہاں سے عہدہ دارانِ متعلقہ کو مخاطب کیا جاتا۔ عہدہ دارانِ متعلقہ اپنے ماتحتوں کے نام نوٹس اجرا کرتے تو کتنے ہفتہ کتنے مہینے۔ یونہی۔ گذر جاتے۔

پروانہ اطلاع لکھوا کر دھنو کو دیا اور فرمایا کہ تم کو کوئی سرکاری ملازم روکے تو یہ دکھا دینا۔ اس کے بعد دھنو نے کسی قسم کی شکایت کسی سے متعلق بھی نہیں کی۔

٭ ٭ ٭

ڈاکٹر صاحب گھر سے جس قدر باخبر تھے اسی قدر دواخانہ سے بھی باخبر تھے۔ نیو وارڈ میں سلوشن کا ایک شیشہ کم نظر آیا عبدالکریم صاحب تھیٹر اسسٹنٹ سے دریافت کیا :۔

کیوں بھئی ! سلوشن کا ایک شیشہ کم کیوں ہے ؟

تھیٹر اسسٹنٹ نے جواب دیا کہ

سرکار ! ڈاکٹر عبدالرشید صاحب میڈیکل افسر دواخانہ کاماٹی پورہ ناظم صاحب طبابت کے حکم کی بنا پر لے گئے ہیں۔

یہ جواب سنکر ڈاکٹر صاحب نے میڈیکل افسر مذکور کے نام چٹھی لکھی!

" آپ کو بلا اجازت یہاں سے کوئی چیز نہ لینا چاہیئے۔ لہذا فوراً شیشہ مذکور واپس روانہ فرما دیجئے۔

دواخانہ کاماٹی پورہ سے جواب آیا :۔

بخدمت عالیجناب مہتمم صاحب دواخانہ افضل گنج سرکار عالی

مجھے عالیجناب ناظم صاحب طبابت کا نہایت اشد ضروری حکم تھا

نیو وارڈ سے سلوشن کا شیشہ مسٹر سرنیا کی اطلاع سے لیا گیا "
عبدالکریم صاحب بھتیڑا اسسٹنٹ کے جواب کی تصدیق میڈیکل افسر صاحب کے مراسلہ سے کرلی۔ اس کے بعد لکھا !۔

"مراسلہ ہذا شریک مثل کر لیا جائے ۔ ۲۳/۴ ۲۸ ف

ڈاکٹر صاحب کی قوت حافظہ اور انتظامی قابلیت کے ایسے مظاہرے روزانہ ہوتے رہے ۔

☆ ☆ ☆

قدیم دواخانہ اس عمارت میں تھا جس میں آجکل عثمانیہ مڈیکل کالج ہے اس عمارت میں اور کوسہ واڑی کے قبرستان میں زیادہ فصل نہیں۔ بلحاظ ضرورت کارکنان دواخانہ نے فضلہ کا پیپہ قبرستان کے قریب رکھوادیا۔ سدّی بلال کی نظر اس پر پڑگئی ۔ دوڑتے ہوئے گئے۔ حضور کے استادِ خاص مولانا مولوی انوار اللہ خاں صاحب سے کہا کہ "ایسا ہوا ۔ ایسا ہوا دواخانہ افضل گنج کی وجہہ سے قبور اہل اسلام کی بے حرمتی ہورہی ہے "

مولوی صاحب اُن دنوں ناظم امور مذہبی تھے ۔ فوراً اسیٹونس اسکوایر صدر مہتمم و معتمد مجلس صفائی بلدہ کو توجہ دلائی ۔ وہاں سے مراسلہ بصیغۂ اشد ضروری ڈاکٹر صاحب کے نام آیا۔ ڈاکٹر صاحب اٹھے ۔ مقام نشاندادہ کا معاینہ کیا۔ پیپہ اٹھوا کر جواب ادا کیا کہ ۔

" حسب تحریک ناظم صاحب امور مذہبی پیپہ اٹھوادیا گیا ہے ۔"

استادِ شاہ سے مرعوب ہوکے بے جا تاویل نہیں کی ۔ تاویل راستباز انسان نہیں کرتے ۔ غلطی انسان ہی کرتے ہیں ۔ الانسان مرکب من الخطاء والنسیان ۔ ہاں غلطی پر مُصر ہوجانا برا ہے ۔ کارکنانِ دواخانہ

سے غلطی سرزد ہوگئی۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کا ازالہ بھی کردیا۔ بریں ہمہ نظامت امور مذہبی سے باز پرس کی جاتی تو ڈاکٹر صاحب نیابتاً خواستگار معافی ہوجاتے۔

ڈاکٹر صاحب ذات پات اونچ نیچ کے قایل نہیں تھے۔ انسانی برادری کا احترام کرنا ان کا شیوہ خاص تھا ؎

بنی آدم اعضائے یکدیگر اند ۔ کہ در آفرینش زیک جوہر اند

سب کے سب شیرازی فلسفہ کے قائل ہو جائیں! ناممکن۔

کوئی ہم خیال ہو یا نہ ہو۔ ڈاکٹر صاحب تو کٹر شیخ کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے۔ ڈاکٹر ملتا کا نام تو آپ نے سنا ہوگا۔ یوروپ گئے۔ وہاں سے بڑی بڑی ڈگریاں لے آئے اور اتنی تعداد میں کہ ان کو اعلیٰ ترین اسناد کا حامل ہی نہیں بلکہ مبالغۃً حمّال بھی کہہ سکتے ہیں۔ اگرچہ کہ ڈاکٹر ایس ملتا ایم، ڈی۔ ڈی پی ایچ۔ ایم پی آئی ایف سی ایس بیا کٹریالوجسٹ وکیمکل اگزامنر بہرحال تعظیم کے حقدار تھے لیکن رونا آتا ہے اس زمانے کی ذہنیت پر کہ ایسے واجب التعظیم خوگر کو کم نگاہی سے دیکھا جاتا موصوف کو ابناء زمانہ کی ذہنیت کا علم تھا ان کور دماغوں سے خود بھی کھچے کھچے رہتے مگر ان کو ہمارے ڈاکٹر صاحب پر پیار آتا۔ ہمارے ڈاکٹر صاحب ان کی فضیلت علمی کو مانتے اور اُن کو اپنا معزز دوست جانتے دونوں کے مخلصانہ روابط اس واقعہ سے ظاہر ہوں گے۔ ڈاکٹر ملتا صاحب کے اسٹور میں ٹیوبرکیولین ویاکسین ختم ہوگیا۔ وہ چاہتے تو میڈیکل اسٹور سرکار عالی سے طلب کرلیتے۔ لیکن نہیں۔ انہوں نے اپنے حقیقی دوست نواب ارسطو یار جنگ کے نام بتاریخ ۱۲/ بہمن ۱۳۲۸ف ایک چٹھی لکھی۔

اتفاق کی بات ہے کہ مطلوبہ ویاکسین ختم ہو چکا تھا۔ میڈیکل اسٹور سے منگوا کر فوراً روانہ کر دیا گیا۔

ڈاکٹر صاحب مسرف نہیں تھے۔ زمانہ شناس محتاط انسان کی طرح بروقت روپیہ صرف کرتے تھے۔ آصف جاہ سادس غفران مکان کا دور کیسا؟ اس زمانہ میں دولت مندوں کے ملبوسات کیسے ہوتے تھے۔ کمخواب، جامہ وار۔ ہمرو۔ مخمل۔ اطلس کی زنگارنگ شیروانیاں اب کہاں؟

بہہ گئیں نقش ونگار طاقِ نسیاں ہو گئیں

سچ ہے جیسا رنگ ویسا ڈھنگ۔ بادشاہ رس خطاب یافتہ ڈاکٹر صاحب اُن کی ایک ایک شیروانی خاص مواقع کے لئے ڈیڑھ ڈیڑھ سو روپیہ میں تیار ہوتی تھی۔ ہزار ہزار رُپوں کا ایک ایک نگلس ہوتا تھا جس میں الماس اور زمرد تک اپنی چمک دمک دکھاتے تھے۔

چندرائن گٹہ والے باغ میں جو سامان چوری گیا اس کی مختصر سی فہرست ملاحظہ طلب ہے:-

جڑاوی نگلس قیمتی الـــ

قمیص کی گنڈیوں کا سٹ سنہری

شیروانیاں ۳ عدد جامہ وار دو سبز اور ایک زنگاری رنگ کی ایک ڈنیز سوٹ خاکی رنگ۔

طغیانی والی خونیں فہرست بھی میرے اس بیان کی تصدیق کریگی کہ

"ڈاکٹر صاحب مسرف نہیں تھے زمانہ شناس محتاط انسان کی طرح روپیہ بروقت خرچ کرتے تھے۔"

طغیانی رود موسی کے موقع پر دواخانہ کے ہر ملازم کا کچھ نہ کچھ نقصان ہوا۔ گورنمنٹ نے بطور صلہ بعضوں کو تین تین مہینہ کی تنخواہ دی۔ بعضوں کے گریڈ میں اضافہ فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب کو نہ تین مہینوں کا یکمشت مشاہرہ بعنوان انعام ملا نہ ان کے گریڈ میں اضافہ کیا گیا۔ لفٹنٹ کرنل این اتیچ ہوم اس زمانہ میں مہتمم دواخانہ افضل گنج تھے۔ موصوف نے ناظم صاحب طبابت کو اس طرح توجہ دلائی :-

ڈاکٹر نواب ارسطویار جنگ بہادر ہوس سرجن دواخانہ افضل گنج کو کوئی قسم کی ترقی وغیرہ کا حکم نافذ نہیں ہوا حالانکہ طغیانی سے ان کا بھی بہت نقصان ہوا۔ تمام مریضان شفاخانہ کو سلامتی سے نکالنے کا انتظام وہ آخر وقت تک کرتے رہے۔ دواخانے تک پانی کا سیلاب اتنا بڑھ گیا کہ وہ باہر نہیں جاسکے بمشکل تمام پانی میں سے اپنے متعلقین کو مسجد میں روانہ کئے۔ ان کے رہنے کا مکان دومنزلہ گر کر تمام مال و اسباب پامال ہوگیا۔ بمشکل و بہزار خرابی معہ اہل وعیال کے ایک لکڑی کے زینے کے سہارے مسجد افضل گنج میں اتر گئے ورنہ ان کیلئے بھی بچاؤ کی کوئی امید نہ تھی۔ ساتھ ساتھ موجزن پانی ان کا تمام سامان و اثاث البیت جس قدر تھا تمام بہالے گیا۔ مکان مذکور کی مٹی جو بچ گئی تھی اس کو کھود کر تلاش کرنے سے بالکل ہی چند چیزیں برآمد ہوئیں وہ بھی تمام شکستہ و بوسیدہ تھیں۔

اس طغیانی میں تقریباً (؏) سے زیادہ نقصان ہوا باوجود اس نقصان عظیم کے ان کے لئے کوئی مناسب لحاظ نہ کیا گیا۔ مس پنٹو اور مس کوریا کے درجہ میں اضافہ منظور ہوا ان ہر دو لیڈی ڈاکٹرز کی سروسیں

بھی بہ نسبت ان کے بالکل کم ہے۔ ارسطو یار جنگ کی سروس ۵۲ سالہ ہے
لہذا امید کی جاتی ہے کہ ان کے لئے بھی کوئی نہ کوئی معقول انتظام فرمایا
جائے گا۔"

اس مراسلہ کی نقل ناظم صاحب طبابت نے معتمد صاحب عدالت
وکوتوالی امور عامہ سرکار عالی کی خدمت میں روانہ کردی۔ ان دنوں منعرم
معتمد مولوی عزیز مرزا صاحب تھے۔

مولوی صاحب نے تلف شدہ سامان کی تفصیلی فہرست طلب کی
دواخانہ سے فہرست بھیج دی گئی۔

یہ فہرست محکمہ عدالت وکوتوالی سے شاید محکمہ فینانس روانہ کردی گئی
وہاں سے نفی کا حامل جواب آیا:-

" سرکار سے انھیں اشخاص کو امداد دی گئی ہے جو اپنی مدد آپ
نہیں کرسکتے۔

اگرچہ کہ ملازمین سرکار کو بھی امداد دی گئی ہے لیکن امداد مذکور صرف
قلیل المواجب ملازمین تک محدود ہے۔ نظر برآں افسوس ہے کہ
نواب ارسطو یار جنگ بہادر کو معاوضہ نقصان منجانب سرکار عالی عطا نہیں
کیا جاسکتا۔"

اس انکاری مراسلہ کو دیکھکر یہاں سے مکرر ارباب مقتدر کی توجہ
مبذول کرائی گئی ـــــ مکرر توجہ دلائی جائے ـــــ وہ بھی کس کے لئے؟
نواب ارسطو یار جنگ بہادر کے لئے!

جواب آیا کہ :-

دیگر ملازمین دواخانہ جات افضل گنج و وکٹوریہ زنانہ ہاسپٹل کے

نصف نقصان کے معاوضے کا تصفیہ کیا گیا ہے۔ نواب ارسطو یار جنگ
بہادر کا معاوضہ زیر تصفیہ تھا۔ اب سرکار ارشاد فرماتے ہیں کہ جب
دوسروں کو نصف نقصان کا معاوضہ ملا ہے ان کو بھی نصف ملنا چاہیئے اور
فرمان مبارک کی روسے نصف کے پانے کے وہ مستحق ہیں پس حسبہ عرضہ "
مظہرہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا نصف نقصان تعدادی سمبلغہ چھ ہزار
سات روپیہ آٹھ آنہ سکۂ محبوبیہ اجرا کیا جائے اور محکمہ ہذا کو اطلاع دیجائے"
غرض نواب صاحب نے رقم لے لی۔ رسید دے دی۔

Received from Government Treasury the sum of Rs. 6007-8-0 Rupees Six Thousand and Seven and annas Eight only being flood compensation money granted to me by the Government.

Col. Aristoyar Jung
Hon. Surgeon

دوران کارروائی میں "نہیں" نہیں کے بعد "ہاں" حیرت افزا
ہے۔ اس کی وجہ میری سمجھ میں یہ آئی کہ معین المہام فینانس مسٹر آر
گلینسی آئی سی ایس نے اپنے خاص نقطہ نگاہ سے یہ مطالبہ رد کر دیا۔
دواخانہ سے مطالبہ دہرایا گیا تو انہوں نے ہمیشہ کے لئے اس کو ختم کر دینا
چاہا۔ ہمیشہ کے لئے اس کو ختم نہیں کیا جا سکتا تھا جب تک مدار المہام
وقت کے دستخط نہ ہوجائیں۔ بنا بریں مدار المہام راجہ راجایان مہاراجہ کشن

پرشاد مہاراجہ یمین السلطنۃ کے سی آئی جی سی آئی ۔ اے ۔ ۔ کے ملاحظہ خاص میں یہ کارروائی پیش کی گئی ۔ مہاراج بہادر ۔ بھلا ڈاکٹر صاحب کا واجبی مطالبہ رد کر دیتے !

فوراً منظوری صادر فرمادی ۔ اوپر والے مراسلہ میں سرکار سے مراد مہاراجہ بہادر ہی ہیں ۔
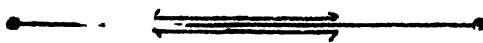
"میں زندہ دلی کو پرہیز گاری کی علامت سمجھتا ہوں ——
سیاہکار مسخروں کو زندہ دل سمجھنا انسانیت کی توہین کرنا
ہے —— پرہیز گار انسان ہی زندہ دل ہوتے ہیں "

ڈاکٹر احمد علی صاحب میڈیکل افسر دواخانہ باڈی گارڈ علاقہ صرفخاص مبارک نے بتاریخ ۸ امرداد ۱۳۲۱ف لکھا کہ ہمارے ہاں کی مڈوائفری کلاس میں جو کامیاب ہوئی ہیں ان کے لئے ڈریس کی ضرورت ہے جو نمونہ آپ پسند فرمائیں اس کا ایک نمونہ ایک روز کے لئے عنایت ہو کہ میجر صاحب کو پسند کروا کر ویسا بنوالیا جائے ۔ یا آپ کے ذریعہ اگر بن سکتا ہے تو اس کی قیمت سے بھی مطلع فرمائیں "

ڈاکٹر صاحب نے جواب ادا کیا کہ :-

ہمارے دواخانہ میں کوئی نمونہ مجوزہ نہیں ہے ۔ میری رائے میں

ل میجر جنرل سر افسر الملک اس زمانہ میں صرف میجر تھے ۔ یہاں میجر صاحب سے ان ہی کی ذات مراد ہے ۔

ساڑی اور جاکٹ لباس پسندیدہ اور مناسب معلوم ہوتا ہے۔ رنگ جناب کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔"

"دوشیزگان دواخانہ جات" کا پسندیدہ لباس علی العموم آجکل وہی ہے جو چالیس برس پیشتر ڈاکٹر صاحب کو مناسب معلوم ہو رہا تھا۔ رنگ جناب کے اختیار تمیزی پر چھوڑ دیا جاتا ہے" اس فقرے میں کیا کچھ زندہ دلی نہیں۔ "جمالیات" کے طالب علم تو سر دھنیں گے۔ عوام بھی ڈاکٹر صاحب کی زندہ دلی سے کیف اندوز ہو سکتے ہیں۔

ہمارے ڈاکٹر صاحب کا نہ دیدہ چھوڑ نہ زبان چھوڑ۔ وجہہ اس کی یہہ ہے کہ اسلامی معاشرہ کی حد سے انہوں نے سر مو بھی تجاوز نہیں کیا۔ یکے بعد دیگرے دو شادیاں کیں۔ دونوں بیویوں سے اولاد ہوئی۔ اولاد صالح بھی ایسی کہ جن کو دیکھ کر یہ حدیث شریف یاد آجائے۔

الولد سر لابیہ

ہاں تو انسان کی نظر کب بھٹکتی ہے؟ اس سوال کا جواب دینے کی ضرورت میں یہاں محسوس نہیں کرتا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی نظر کو بھٹکنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ ان کی آنکھیں ایسی پر حیا محسوس ہوتی تھیں جیسی ایک کنواری کی آنکھیں۔ ان کو زمانے تک پریوں کے جمگھٹ میں رہنا پڑا لیکن ان پریوں کی وقعت اُن کی نگاہوں میں تتریوں سے زیادہ نہیں تھی۔ کسی نوجوان ڈاکٹر کو دواخانہ میں فریضہ شبینہ (Night Duty) پر مقرر فرماتے تو اس سے پہلے ہی کہہ دیتے "دیکھو بابا" ان تتریوں (پروانوں) سے ہوشیار رہو" نظر کے مشاہدے سے زبان کا معاملہ کچھہ کم خطرناک نہیں۔ میں یہاں نسبتہ تفصیل سے کام لوں گا!۔

ایک دفعہ ایک خاں صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے اپنی کیفیت بیان کی کہ ڈاکٹر صاحب میری پیٹھ کے عضلات میں تین روز سے درد ہے ڈاکٹر صاحب خوش مزاج نے اپنے دوست سے ہنستے ہوئے فرمایا کہ خانصاحب! کوئی پٹھا چڑھ گیا ہوگا اس وجہ سے درد ہے۔

ایک دفعہ ایک بڑھیا نے اپنی بیماری کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر صاحب تمام رات میرے پاؤں کھنچتے ہیں۔ زندہ دل ڈاکٹر صاحب مسکراتے ہوئے دریافت فرماتے ہیں کہ بڑی بی! کون؟

ایک دفعہ ایک ماتحت ڈاکٹر صاحب نے ڈاکٹر عبدالحسین صاحب سے شکایت کی کہ فلاں نرس بات نہیں سنتی جو کام کہیں انجام نہیں دیتی۔ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ڈاکٹر صاحب "شی از کیریلس"

ایک دفعہ طب کے طالب علموں نے شرارت کرکے ایک نرس کو ایک الپن سے ایک کاغذ کی دم پیچھے گون میں لگادی وہ انجان جدھر جاتی سب ہنستے اس نے ڈاکٹر عبدالحسین صاحب سے شکایت کی تو ڈاکٹر صاحب نے اس کو سمجھایا کہ ایسی شکایت نہیں کرنا چاہیئے ورنہ یہ طالب علم کہیں گے کہ "شی کیا ریزنٹیل

ڈاکٹر صاحب کے ایک دوست کا کسی ضلع پر تبادلہ ہوا۔ وہ

وہاں سے دو تین خطوط ڈاکٹر صاحب کو لکھے۔ ڈاکٹر صاحب نے کسی کا جواب نہ دیا۔ پھر ایک خط ایک صاحب جو حیدرآباد آرہے تھے ان کے ساتھ روانہ کئے۔ راستہ میں وہ صاحب کی موٹر کو حادثہ ہوا ان کے پیر کی ہڈی ٹوٹ گئی شفاخانہ افضل گنج میں رجوع کئے گئے ڈاکٹر عبدالحی صاحب نے ان کا پیر جو ہڈی چکنا چور ہو تے سے لٹک گیا تھا کاٹ دیا۔ اور شفاخانہ میں رکھ لیا۔

دوست کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو انہوں نے پھر ڈاکٹر صاحب کو خط لکھا کہ میں نے دو تین خطوط بھیجے کوئی جواب نہ ملنے پر ایک قاصد کے ساتھ خط بھیجا تو آپ نے یہ ظلم کیا کہ اس کا پیر کاٹ ڈالا۔

اس خط کا جواب خوش مذاق ڈاکٹر عبدالحمین صاحب نے یہ دیا کہ آپ کے دو تین خطوط مجھے پہنچے۔ میں جواب نہ دینے کی معافی چاہتا ہوں آپ نے جو خط قاصد کے ساتھ روانہ کیا تھا وہ خط بجائے مجھے پہنچانے کے قاصد ملک الموت کو پہنچانے جا تا تھا۔ مجھ میں اور ملک الموت میں کشمکش شروع ہوئی۔ قاصد کا پیر ملک الموت کے ہاتھ میں رہ گیا قاصد کو میں نے کھینچ لیا ہے۔"

ایک صاحب نے ڈاکٹر صاحب سے یہ شکایت کی کہ ڈاکٹر صاحب آپ کبھی ہم کو بھول کر بھی یاد نہیں کرتے اور ہم تو ہمیشہ آپ کو یاد کرتے ہیں۔ اس پر ڈاکٹر عبدالحسین صاحب نے فرمایا کہ اس بارے میں مجھے ایک اچھا شعر یاد آیا اس پر میرا عمل ہے۔

جنھیں ہو عشق سے مذاق وہ انہیں یاد کرتے ہیں — زباں پر ہر جو شئی ہو وہ بھی یاد کرتے ہیں

ایک دفعہ ایک آغا صاحب اپنے داڑھ کے درد کی وجہ سے ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کے پاس رجوع ہوئے تکلیف سے بہت بے چین تھے ڈاکٹر صاحب نے ہنستے ہنساتے داڑھ نکال دیا آغا کے تکلیف کم ہوتے ہی دعائیں دینے لگے کہ خدا ڈاکٹر صاحب کی عمر سو سال کی کرے۔ ڈاکٹر صاحب نے چمٹا لئے ہوئے پھر آغا صاحب کو منھ کھولنے کہا۔ آغا صاحب نے کہا کہ صرف ایک ہی داڑھ میں درد تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ یہ تو ٹھیک ہے مگر ایک داڑھ نکالنے سے میری عمر سو سال ہونے کی دعا ہوئی اب دوسرا نکالتا ہوں تا کہ دو سو سال زندہ رہوں۔

ایک دفعہ ایک بیمار آیا اور کہا ڈاکٹر صاحب میرا پاؤں نیچے اوپر ہوگیا ہے اور بہت تکلیف ہے۔ آپ مسکرائے اور کہا تمہارے دونوں پاؤں برابر ہیں۔ ایک اونچا دوسرا نیچا نظر نہیں آتا۔ حاضرین سے مخاطب ہوکر فرمانے لگے۔ آپ لوگ بھی غور سے دیکھئے۔ انکے دونوں پاؤں برابر دیکھتے ہیں یا نہیں۔ مریض کو بھی ہنسی آگئی

ایک دفعہ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب نے ایک مریض کا ہرنیہ (فتق) کا آپریشن کیا۔ دوسرے دن مریض نے تکلیف کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا۔ بھلے آدمی ابھی تمہارا ایک بڑا آپریشن باقی ہے۔ مریض گھبرا کر پوچھا وہ کون سا۔ آپ نے فرمایا مجھے پتہ لگا ہے کہ تمہارا ختنہ نہیں ہوا ہے ایک ہی آپریشن سے تم گھبرا گئے۔ مریض اپنا درد بھول گیا اور ہنسنے لگا۔

ایک دفعہ ایک نوجوان رجوع ہوا جن کو بائی ڈروسیل کی شکایت تھی ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا تمہاری شادی ہوچکی ہے اس نے کہا جی ہاں۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا پھر جس کی ملک ہے اس کی رضامندی حاصل کرکے آؤ تو تمہارا علاج ہوسکیگا۔

ڈاکٹر صاحب کے تحمل کی ایک مثال بھی سن لیجئے۔ ایک شخص نے ڈاکٹر عبدالحسین صاحب سے نسخہ لکھوا کر پوچھا میں فلاں فلاں غذا کھاؤں یا نہیں فلاں فلاں میوہ میرے لئے مفید ہوگا یا نہیں۔ بہرحال اس نے متعدد چیزوں کے متعلق دریافت کیا کہ میں یہ کھاؤں وہ کھاؤں آپ برابر سنتے رہے اور ہر سوال کا جواب دیتے رہے۔ اس وقت ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ایک دوست بھی بیٹھے تھے۔ مریض کے جانے کے بعد انہوں نے کہا ڈاکٹر صاحب آپ نے ایک مختصر جواب کیوں نہیں دیا۔
ڈاکٹر صاحب نے کہا وہ کیا۔ دوست نے کہا آپ مریض سے صرف اتنا کہہ دیتے تو کافی تھا کہ "بھائی توسب کھا لیکن میرا مغز نہ کھا۔
ڈاکٹر صاحب مسکراکر خاموش ہوگئے۔

باوجود اس زندہ دلی کے ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کی روزآنہ زندگی کا پروگرام حسب ذیل تھا۔
نماز فجر پڑھتے۔ قرآن شریف کی تلاوت کرتے۔ دینی مشاغل کے بعد کنگ کوٹھی جاتے۔ وہاں سے آتے ایک انڈے اور پاؤ بھر دودھ کا آمیزہ پیتے۔ اب ڈاکٹر صاحب ہیں اور مختلف بیمار۔ آپریشن تھیٹر

جاتے تو وہاں ایک بجے تک مصروف عمل رہتے کبھی کبھی گھڑی تین بھی وہیں بجادیتی۔ اپریشن تھیٹر سے نکل کر عیادت کے خاص کمرے میں جاتے۔ نماز اور وضایف سے فارغ ہوکر دوپہر کا کھانا کھاتے چار پھلکے ذرا سا خشکہ کسی ایک سالن کے ساتھ۔ ماش کی چھڑی دال بہت مرغوب تھی۔ پھلکے بھی دال سے کھاتے خشکہ بھی دال سے۔ حالانکہ ایک اوسط درجہ کا آدمی بھی خشکہ اس سالن کے ساتھ نہیں کھاتا۔ جس سالن کے ساتھ اس نے روٹی کھائی تھی۔ مرغن غذائیں ڈاکٹر صاحب کو مرغوب نہ تھیں۔ ڈاکٹر صاحب جیسے دوسرے دولتمند تو نہاری، تہاری، بریانی، پلاؤ، پراٹھے، سنبوسے، شامی، شکم پر، کباب، کوفتے قورمہ، دوپیازہ۔ متنجن۔ مزعفر وغیرہ وغیرہ سب کھا جاتے ہیں اور اتنا کھا جاتے ہیں کہ "در معدہ جائے نفس نمی ماند"۔ خیر۔ چھوڑیے ان امیروں کو جن کا نظریہ تو "زیستن از بہر خوردن" ہی ٹھیرا۔ مگر خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است، کے مدعی۔ مرشد اور مولوی بھی کیوں "بسیار خور" نظر آتے ہیں۔ کنڈوری پران کی رال ٹپکتی کس نے نہیں دیکھا؟!!

ان بزرگوں کی داڑھی، مونچھ وضع قطع سب حدود سنت میں لیکن مسئلہ طعام حدود سنت سے دور بہت دور۔ ڈاکٹر صاحب کی داڑھی مونچھ ہی نہیں۔ ان کا مسئلہ طعام بھی حدود سنت میں رہا صورۃً و سیرۃً وہ شعایر اسلام کے نقیب معلوم ہوتے تھے۔

۱۹۰۵ء میں ڈاکٹر صاحب کی آنکھیں حرمین شریفین کے جلوؤں سے منور ہوئیں اب کربلا ر معلے اور دوسرے مقامات مقدسہ کے لئے

دل تڑپ رہا تھا۔ اس مضطرب تشنہ کام کو کس طرح مطمئن خوش کام بنایا
ملاحظہ طلب ہے۔ اس کی جان فزا تفصیل یہ۔

۱۹۱۰ء میں نظامت طبابت سے استدعا کی کہ ششش قطعہ تحریرنما
رخصت مرسل ہیں۔ میں اپنی تمام مدت ملازمت ساڑھے تیئس سال میں
صرف ایک مرتبہ رخصت ساڑھے پانچ ماہ لے کر حرمین شریفین روانہ
ہوا تھا۔ پس اس وقت بھی میرا منشاء ہے کہ کربلائے معلیٰ و
بغداد شریف وغیرہ مقامات متبرکہ سے مشرف ہو کر آجاؤں۔ لہذا معروضہ
ہے کہ عالیجناب براہ کرم رخصت خاص ششش ماہ کے لئے سرکار سے
منظوری دلا دیں۔

نظامت طبابت نے محکمہ سرکار کو توجہ دلائی۔ محکمہ سرکار نے
تحت ضابطہ جواب ایسا دیا ہ۔

رخصت خاص مدتی ششش ماہ بیافت سالم منظور نہیں کی
جاسکتی کیونکہ رخصت سابقہ حاصل کرکے صرف چار سال ہوتے ہیں۔ از
روئے ضابطہ چھ سال گزر جائیں تو ڈاکٹر نواب ارسطو یار جنگ بہادر کی
جانب درخواست منظور کی جاسکتی ہے۔

حسن اتفاق دیکھئے کہ اس زمانے میں لفٹننٹ کرنل شور کی رخصت
خاص اسی ڈھب کی منظوری فرمائی گئی تھی جس کو رائج الوقت قانون
رخصت برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے فوراً یہ
نظیر پیش کر دی۔

فوراً محکمہ سرکار سے جواب موصول ہو گیا ہ۔

سرکار تحت اقتدارات خصوصی ڈاکٹر نواب ارسطو یار جنگ بہادر

کی رخصت خاص شش ماہ بغرض زیارت مقامات مقدسہ تاریخ استفادہ سے منظور فرماتے ہیں :-

نقل مراسلہ منظوری از دفتر معتمد صاحب عدالت

"چھ ماہ کی رخصت تاریخ روانگی سے دیجاتی ہے۔ اگرچہ ارسطو یار جنگ بہادر کی ایک دن کی غیر حاضری ان خوبیوں اور جفاکشی کے لحاظ سے جو مریضوں کے ساتھ خاص طور سے کیا کرتے ہیں۔ میرے خیال میں بہت زیادہ ہیں۔ چہ جائے کہ چھ ماہ لیکن جس وجہ خاص کو انہوں نے پیش کیا ہے مجبوراً رخصت منظور کرنی پڑتی ہے۔ لیکن۔ مجھے امید ہے کہ بہادر معز زیادہ دیر تک اپنے ہم وطنوں کی جدائی کو پسند نہ کریں گے۔

۱۴ ذی الحجہ ۱۳۲۶ھ

ثبت دستخط مدار المہام سرکار عالی

محبت سچی۔ نیت اچھی۔ بھروسہ مسبب الاسباب پر۔ بن گیا کام وہ بھی باتوں باتوں میں سامان سفر پہلے ہی فراہم کر چکے تھے۔ منظور ہوتے ہی اسٹیشن روانہ ہو گئے۔ یہ کہتے ہوئے

فکر ما در کار ما آزار ما کارساز ما بساز د کار ما

رسمی مشایعت کرنے والوں نے مصافحہ کر کے رسماً یہ شعر پڑھ دیا ؎

بہ سلامت روی و باز آئی یہ سفر رفتنت مبارک باد

ایک سن رسیدہ عارف نے حقائق آگاہ ڈاکٹر صاحب سے معانقہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے مسکرا کر پوچھا یہ کس کا شعر ہے۔ معمر انسان نے کہا
"غلام امام شہید کا"

یاد ہے ڈاکٹر صاحب کا وہ گنگنانا ؎

چاہتے ہیں جن کو پلاتے ہیں وہ ۔ شربت دیدار پلاتے ہیں وہ
سب لوگ دیکھ رہے تھے کہ بڑے میاں نے زبان تک نہیں ہلائی
شاید دل سے دل ملتے ہی نہیں ۔ باتیں بھی کرتے ہیں ۔

خیر ڈاکٹر صاحب نے ادھر رخ کر لیا ۔ جدھر دل متوجہ تھا ۔ بخیر و خوبی گئے ۔ بخیر و خوبی آئے ۔ پھر وہی ڈاکٹر صاحب وہی خدمت خلق ۔ کھانا کھانے گئے جو وقت نکالنا کارے وارد ۔ اس کی درہم برہم نبض دیکھی ۔ اس کی پیلی پیلی آنکھیں دیکھیں ۔ اس کے سوکھے ہونٹ دیکھے ۔ کسی کو نسخہ دیکر کہا دوا لے لو کسی سے فرمایا تم دواخانہ میں رہ کر علاج کراؤ نسخے لکھتے لکھتے تھک گئے تو چلے وارڈوں میں گھومنے ۔

ایک وارڈ سے چلڈرن وارڈ میں داخل ہوئے وہاں سے نکلے میٹرنٹی وارڈ کی خبر لی ۔ میٹرنٹی وارڈ سے میل میڈیکل ۔ اب سلسلہ بندھ گیا ۔ ۲ ۔ ۳ میل میڈیکل ۴ سے نکلے ۔ فیمیل میڈیکل ۱ ۔ ۲ ۔ ۳ اس طرح میل سرجیکل اور فیمیل سرجیکل تمام وارڈوں میں یکے بعد دیگرے سخت سخت بیماروں کو دیکھا بھالا ۔ کسی سے دل لگی کی ۔ کسی کو دھمکی دی ۔ ان کی دھمکی پر دو مہروں کی ملائمت قربان ۔ ادھر انہوں نے ڈانٹ بتائی ادھر مریض کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لہرائی ۔ دھمکانے کا انداز کیسا ہوگا ۔ ! بیماری کا خیال بھی بیماری ہے یہ خیال بدلنا ڈاکٹر صاحب کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا ۔ پرانا پرانا خیال ایک چٹکی میں بدل دیتے تھے ۔ سخت بیماروں کے لئے وہ مخصوص غذا خصوصی یہ گھومنا کیا مصلحت اور نیکی سے خالی تھا ۔ ڈاکٹر صاحب کا نظریہ حیات عمر بھر یہی رہا ۔

حرکت میں برکت ہے

ڈاکٹر عبد الحسینؒ

فضل گنج دواخانہ (وارڈ)

ڈاکٹر عبد الحسین

افضل گنج دواخانہ (تھیٹر)

ان کے علم نافع نے ان کو مرد میدان عل کا لقب دیا تو ان کے عل صالح نے ان کو رہرو جادۂ علم ثابت کیا۔ ان کی مفید ملک و قوم زندگی کے نمایاں اجزار اور کیا ہیں علم نافع اور عل صالح کے سوا۔ ؟
دم اخیر مرحوم نے اجزاء ایمان کو اور نمایاں کر دیا:۔
(۱) آخری وقت ہے باوضو آؤ اور صلوٰۃ پڑھتے رہو۔
(۲) جو نماز نہ پڑھے ہوں پاس نہ آئیں۔ نماز نہ پڑھنا خدا کی ناشکری ہے۔ بے نمازیوں کی موجودگی میں فرشتے نہیں آتے
(۳) بچوں کو لایق بناؤ۔
موت کا نام سن کر بڑے بڑے شہزور لرز لرز جاتے ہیں۔ سکندر کا منہ ذرا سا نکل آیا ہوگا یا نہیں ؟ لیکن تصور کیجئے ارسطو یار جنگ کا۔ ہوش و حواس عالم سکرات میں بھی قائم ہیں۔ ان کے یہ جملے دلایل علم نافع ہیں بے شک ان کے یہ کلمات براہین عل صالح ہیں۔ لاریب دل کا تجزیہ کس درجہ کیا ہوگا۔ کہ ایسی "کٹھن آزمایش" میں ایسے ایمان افروز فقرے ان کی زبان سے نکل رہے تھے۔ ان کی تاریخ وفات ۱۶ / صفر ۱۳۵۹ھ ہے۔
روشن ضمیر خسرو دکن نے فرمایا۔
مرد نیکو و متقی بود است
۱۳ ۵۹ھ
یہ نیک ہستی اور زندہ ولی ۱۶ / صفر ۱۳۵۹ھ اپنی بنائی ہوئی مسجد محلہ حسینی علم کے صحن کے متصل سپرد خاک ہوئے۔
مہاراجہ سر کشن پرشاد بہادر نے جو تحریر اس واقعہ پر رقم فرمائی درج ذیل ہے:۔

مہاراجہ یمین السلطنت سرکشن پرشاد بہادر } شاد منش
سابق صدر اعظم و پیشکار سلطنت آصفیہ } ۱۶ر صفر ۱۳۵۹ھ

مہربان فقیر شاد ڈاکٹر خورشید حسین
فقیر شاد کے محب صادق ارسطوئے دکن کی موت نے جو صدمہ
مجھے اور اہل دکن کو پہنچایا ہے نا قابل بیان ہے۔
اِنّا لِلّٰہ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون
اب مرحوم کا جواب دنیا پیدا نہیں کر سکتی مگر دنیا جائے گذاشتی ہے
اس لئے صبر کرنا چاہیئے فقط شاد
فقیر

بلدیہ حیدرآباد

خدمت شریف ڈاکٹر خورشید حسین صاحب
اطلاعاً تحریر ہے کہ ڈاکٹر نواب ارسطو یار جنگ مرحوم کے انتقال کی
وجہہ سے حسب ذیل آفس آرڈر نشان (۳۰) مورخہ ۲۱ر اردی بہشت
۱۳۴۹ف جاری کیا گیا ہے۔
"ڈاکٹر نواب ارسطو یار جنگ مرحوم کا آج انتقال ہوا۔ مرحوم ایک
قدیم خادم شہر اور طبیب کی حیثیت میں کم و بیش ساٹھ سال تک بلدہ
حیدرآباد میں پر خلوص اور ہمہ روایتی خدمات انجام دیتے رہے اسلئے
وہ بلدہ میں خاص عزت رکھتے تھے۔ اس لئے دفتر محکمہ بلدیہ کو آدھے

مرد نیکو و متقی بود است

۱۳۵۹ھ
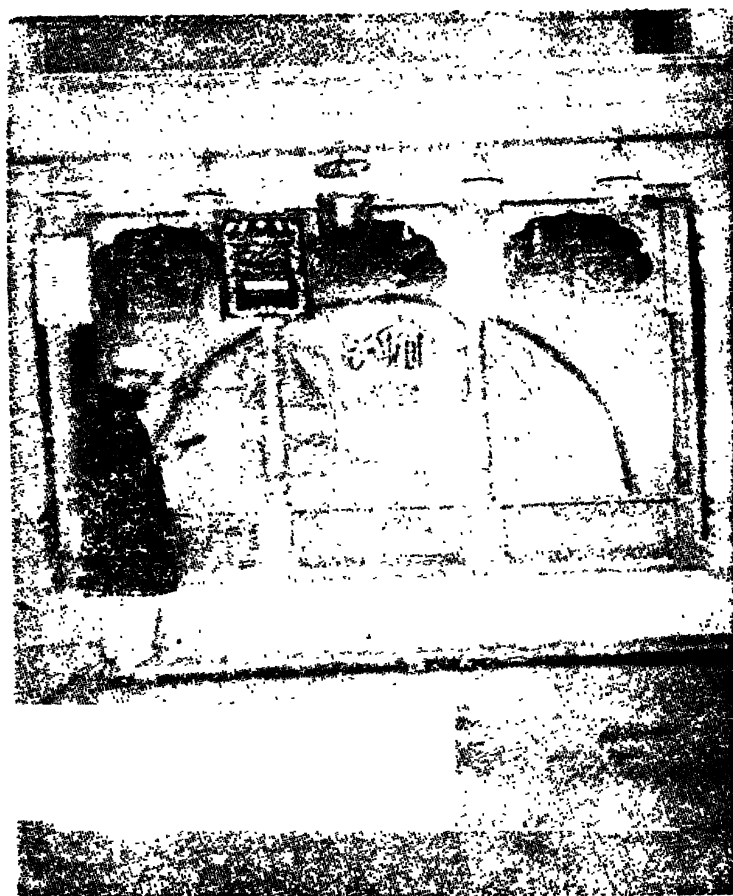
دن کیلئے بند کیا جائے فقط

شرح دستخط نواب مہدی نواز جنگ بہادر

* * *

دولت فائدہ بخش کو ڈاکٹر صاحب نے دوسرے دولت مندوں کی طرح برباد نہیں کر دیا۔ اس سے بڑے بڑے کام کئے دینی بھی دنیاوی بھی۔ حج وزیارت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مع متعلقین ایک مرتبہ نہیں دو دو بار مشرف ہوئے۔

چند برسوں بعد کربلائے معلیٰ وغیرہ کی یاد دل کو تڑپانے لگی تو ان مقامات مقدسہ سے بھی دو مرتبہ مع متعلقین متمتع ہوئے۔ رباط ہائے پختہ کی تعمیر میں حصہ لیا تاکہ حجاج اور زائرین کو ٹھیرنے کے لئے پریشان ہونا نہ پڑے۔ اپنے محلہ میں ایک عالیشان مسجد بنوادی۔ جس کا مادہ تاریخ محراب مسجد میں کندہ ہے اور یہ ہے۔

واذکر اللہَ قیاماً وقعوداً

۱۳۳۲ھ

دینیات سے بہرہ اندوز کرکے فرزندوں کو یورپ بھجوایا عصری اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے اپنے لڑکوں کو یوروپ بھجوانا گناہ نہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے عمل کی تائید خرد عصر شناس کرتی ہے اور ضروریات عصر حاضر مزید تائید ان کے فرزندوں نے بڑے بڑے مشاہرے پاتے اور اپنے اپنے سر رشتوں میں بہت باوقعت رہے۔ یہ امنگ بھرے جوان یورپ نہ جاتے تو ان کی دنیاوی زندگی اتنی شاندار ہوتی؟

یہاں مجھ سے ایک سوال پوچھا جا سکتا ہے :۔

کیا ڈاکٹر صاحب یورپ تشریف لے گئے تھے۔
میں نے اس سوال کا جواب قبل ازیں ادا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب فطری سرجن تھے۔ ان کو یورپ جانے کی ضرورت نہیں تھی۔
کیا یوروپ کے عظیم انسانوں سے انہوں نے اپنا لوہا ہیں نہیں منوالیا۔ کرنل شور جیسے یوروپ کے نمایندہ نے ان کی سرجری کے جلوے پر اپنی آنکھ قربان کر دی۔ موصوف کا یہ جملہ ضبط ذہن گرامی ہے نا؟
"ول ڈاکٹر تمہارا ہاٹ ہم پر جادو کر ڈیا ہے"
مجھ کو اس قسم کے سوالوں میں نہ الجھایا جائے تو میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ ڈاکٹر صاحب ہی کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کے فرزند بامراد زندگی سے محظوظ ہیں۔ ہاں تو میرے ممدوح نے اپنے راسخ الاعتقاد جواں فرزندوں کو ادھر یوروپ امریکہ بھجوایا۔ ادھر قوم کے کم سن لڑکوں اور لڑکیوں کی خاطر ایک ایک دینی مدرسہ اپنے محلہ میں کھولا جس میں فقط مذہبی تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے۔
اس مدرسہ کے جملہ اخراجات زندگی بھر خود برداشت کرتے رہے بروقت رحلت ایک معقول جائیداد وقف کر دی۔ اس جائیداد موقوفہ کی بدولت کبھی کسی سے چندہ مانگنا نہیں پڑتا۔ دینی مدرسہ کھولا۔ عالی شان مسجد بنوادی۔ ایک دو نہیں تین لڑکے یوروپ بھیجے گئے۔ تین امریکہ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کئے۔ خود مقامات مقدسہ میں رباطوں کی تعمیر کرائی۔ خود حجاز وعراق کے متبرک سفر سے فیض یاب ہوئے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اور کیسے کیسے مفید دارین کام کئے۔ اتنا کچھ کر کے لاکھوں روپے بھی چھوڑے باتباع شرع شریف ان کی اولاد کو یہ دولت ملی۔ مرحوم کے بیٹے بیٹیاں

پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں خوش حال و فارغ البال ہیں۔

ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کے بیٹوں اور عزیزوں کے نام اور ان کی علمی لیاقت اور کارناموں کے ذکر سے ہمارے بیان کی تصدیق ہوگی

(۱) ڈاکٹر صاحب کی بڑی صاحب زادی مولوی شیخ فضل علی حیدرآباد کے باوقار تاجر ملا محسن علی کے فرزند سے منسوب تھیں۔ شیخ فضل علی صاحب عربی کے ایک عالم متبحر تھے۔ ان کو حیدرآباد کے علماء کا طبقہ بخوبی جانتا اور مانتا ہے۔

(۲)۔ ڈاکٹر صاحب کی دوسری صاحبزادی ڈاکٹر شیخ داؤد ایم بی سی ایچ بی ایم ایس سی (اڈنبرا) سے منسوب تھیں۔ ڈاکٹر شیخ داؤد حیدرآباد کے طبی کالج میں اول نمبر کامیاب ہوئے۔ اس زمانہ کے قواعد کے لحاظ سے ان کو وظیفہ تعلیمی دیکر ولایت بھیجا جانا تھا یہ اسی امید پر رہے اور کامیاب طالبعلم نمبر دوم نے درخواست سرکار میں پیش کردی کہ اول نمبر ولایت جانا نہیں چاہتے ہیں ان کو بھیجا جائے چونکہ یہ بارسوخ تھے وظیفہ منظور ہوا اور بھیج دیئے گئے۔ ڈاکٹر شیخ داؤد کو اس کا علم ہوتے ہی یہ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب اپنے خسر صاحب سے کہا کہ ان کا حق تھا دوسروں کو دیدیا گیا ہے اس کی بابتہ کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا میاں اگر تمہارا حق ہے تو تمکو ملیگا تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔ ڈاکٹر داؤد نے کہا لیکن باباجان کوشش کرنے کی ضرورت ہے۔ کئی روز ڈاکٹر داؤد یہی دہراتے رہے اور ڈاکٹر صاحب وہی ایک جواب دیتے رہے ایک روز ڈاکٹر داؤد جب ڈاکٹر صاحب شفاخانہ جانے کی تیاری کر رہے تھے بہت مایوس الفاظ میں کہنے لگے باباجان بغیر کوشش کے حیدرآباد میں کچھ نہیں ہوتا۔

اس پر خدا پرست ڈاکٹر صاحب نے کہدیا کہ میاں تم کو تمہاری کوشش پر بھروسہ ہے اور ہم کو خدا پر بھروسہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کہنے کو تو کہہ دیئے اور داماد اپنی مایوس صورت لیکر رہ گئے لیکن ڈاکٹر صاحب کو یہ بات کھٹکنے لگی۔ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی میں معروف ہوگئے اور دل میں تھا کہ اب خدا ہی میری بات کی وقعت رکھے۔ ایک بجے آپریشنوں سے فارغ ہوکر گھر آئے وضو کر کے نماز پڑھی اور کھانا کھاکر پانچ منٹ لیٹے ہی تھے کہ ملازم نے اطلاع دی کہ نواب فخر الملک بہادر کے پاس سے گاڑی آئی ہے بلوائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کپڑے پہن، بگلوس لگا کر فخر الملک بہادر کی ڈیوڑھی ارم منزل پہنچے اور ملاقاتی کمرے میں ٹھیرائے گئے۔ تھوڑی دیر میں کمرے کا دروازہ کھلا اور میجر نواب ناصر الدولہ بہادر برآمد ہوئے۔ ڈاکٹر صاحب سے سلام علیک ہوئی۔ پوچھے آپ کیسے تشریف لائے ڈاکٹر صاحب نے فرمایا میری طلبی ہوئی تھی۔ حاضر ہوا ہوں نہیں معلوم کون بیمار ہے۔ میجر صاحب سے ڈاکٹر صاحب نے پوچھا آپ کا کیسے تشریف لانا ہوا۔ میجر صاحب نے فرمایا کہ وہ نواب معین المہام بہادر کے پرسنل اسسٹنٹ ہیں اور ساتھ کام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کون کون سے سررشتے ہیں میجر صاحب نے پہلا نام طبابت کا لیا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے اپنے داماد ڈاکٹر شیخ داؤد کے اول نمبر پاس ہونے اور ان کو ولایت کا وظیفہ تعلیمی نہ دیکر دوسرے کو دینے کا تذکرہ کیا۔ میجر صاحب نے فرمایا کہ آپ فوراً درخواست دیجئے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا بہت اچھا اس پر میجر صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا آپ کو درخواست لکھنے کی فرصت کب ہوگی جو آپ درخواست دینگے یہ کہتے ہوئے خود میز پر تشریف لے گئے اپنے قلم سے درخواست لکھی

ڈاکٹر عبدالحسین صاحب سے دستخط لیکر پھر اندر گئے اور تھوڑی دیر کے بعد واپس تشریف لاکر فرمانے لگے ڈاکٹر صاحب! مبارک آپ کے داماد صاحب کا وظیفہ تعلیمی منظور ہوگیا اور اس صراحت کے ساتھ کہ چونکہ یہ اول نمبر پاس ہوئے ہیں اس لئے اگر گنجائش نہ بھی باقی ہو تو زائد از موازنہ اس کی منظوری دیجاتی ہے۔ فوری اجرائی کی جائے۔ ڈاکٹر صاحب اس کی نقل میجر صاحب کے قلم سے ہی حاصل کر کے خوش خوش گھر آئے۔ دیکھے کہ داماد صاحب صورت سکڑائے بیٹھے ہیں ہنستے ہوئے پوچھے کہ کیوں رنجیدہ ہو داماد صاحب نے وہی فقرہ دہرایا کہ باباجان جب تک کوشش نہ کیجائے کامیابی نہیں ہوتی۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے پوچھا کہ صبح اس کہنے پر خود انہوں نے کیا کہا تھا داماد صاحب کو یاد نہیں۔ کہنے پر فرمانے لگے کیوں میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم کو بھروسہ کوشش پر ہے ہم کو بھروسہ خدا پر ہے دیکھو ہم نے خدا پر بھروسہ کیا خدا نے ہماری سن لی۔ مبارک! ڈاکٹر داؤد اونبرا تعلیم کے لئے گئے۔ یہ چونکہ بڑے محنتی اور بڑے شریف النفس اور باریش تھے وہاں کے دوست ان کو جیس کرائسٹ (عیسیٰ مسیح) پکارتے تھے۔ یہ بہت جلد اعلیٰ کامیابی حاصل کر کے وہاں کے پروفیسر کی سفارشی چٹھی لیکر جرمنی میں عملی کام کرنے گئے۔ جرمنی کے شفاخانہ میں کام کرنے پر وہاں ان کو بہت پسند کیا گیا۔ وہاں کے سرحق سے اپنے سررشتہ میں سفارش کر کے ان کو امتحاناً تین سال کے لئے بمشاہرہ دو ہزار ماہانہ سکہ ہند مامور کرنے کا مراسلہ جاری کیا یہ بہت خوش ہو کر حیدرآباد اس کی نقل بھیجتے ہوئے اپنے خسر صاحب سے کام کرنے کی اجازت چاہی۔ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب نے جو جواب دیا یہ تھا کہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ تمہاری قدر

کی گئی اور تم کو دو ہزار روپیہ ماہوار پر مامور کرنے حکومت آمادہ ہے۔ یہاں آنے پر تمکو ڈھائی سو روپیہ ماہوار ملتے۔ اگر تم روپیہ کمانے کیلئے تعلیم پارہے ہوں تو فوراً اس خدمت کو قبول کرلو بہت معقول تنخواہ ہے اور اگر تم بنی نوع انسان کی خدمت کرنے تعلیم پارہے ہیں تو تمہارے خدمات کی تمہارے ملک کے لوگوں کو زیادہ ضرورت ہے۔ آیندہ تمہیں اختیار ہے

یہ ہیں وہ احساسات وخیالات جن سے ڈاکٹر عبدالحسین صاحب نے اپنے ملک کی خدمت کی اور اپنی اولاد کی تربیت کی۔

ڈاکٹر شیخ داؤد تکمیل تعلیم کرکے واپس حیدرآباد آگئے اور اورنگ آباد پر سیول سرجن ہوئے۔ زمانے نے آپ کو خدمت خلق کا زیادہ موقع نہ دیا۔ دو سال مامور بکار رہکر جوانی ہی میں آپ اپنے فرائض انجام دیتے ہوئے طاعون سے متاثر ہوکر دنیا سے رحلت کرگئے۔ گویا آپ نے خدمت خلق میں اپنی جان دے دی۔ صاحبزادی صاحبہ بھی پانچ روز کے بعد چل بسیں اور ایک نوماہ کا فرزند ڈاکٹر عبدالحسین صاحب کے پاس بطور یادگار چھوڑ گئیں جس کو ڈاکٹر صاحب نے بڑا کیا تعلیم دیکر امریکہ روانہ کیا وہاں سے اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے اب یہ عثمانیہ یونیورسٹی میں پوسٹ گراجویٹ کو تعلیم دینے کا کام انجام دے رہے ہیں نام عبدعلی ہے۔

(۳) ڈاکٹر خورشید حسین صاحب ایم بی سی ایچ بی (اڈنبرا) ڈاکٹر صاحب کے بڑے فرزند ہیں یہ ولایت میں ڈاکٹری کی تعلیم کی تکمیل کرکے جنگ یورپ کی مصیبتوں کو جھیل کر ۱۹۱۴ء میں واپس حیدرآباد ہوئے، اور سیول سرجن رائچور بنائے گئے ان کی حسن کارگذاری کے نہ صرف نظماء طبابت مداح رہے بلکہ مسٹر ہنکن صاحب صدر ناظم کوتوالی اضلاع ان کی بڑی قدر کرتا رہا اور یہ

مجلس کے لئے جو جو اصلاحیں پیش کرتے رہے ان کو بخوشی منظور اور کام کرنے کے لئے ہر قسم کی امداد دیتا رہا۔ وہاں انہوں نے ہمہ رو انجمن کی بنا ڈالی جو اب تک قایم و کارگزار ہے۔ قیام رائچور میں اعلیٰحضرت بندگانعالی میر عثمان علی خاں بہادر نے ان کے کام اور ان کے آپریشن کے نمونہ جات کو بنفس نفیس ملاحظہ فرماکر بعد مراجعت حیدرآباد ڈاکٹر عبدالحسین صاحب سے ان کی عمدہ کارگزاری کا ذکر فرماتے ہوئے دریافت فرمایا کہ ان کو حیدرآباد کے صدر شفاخانہ افضل گنج بلا لیا جائے تو کیسا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب نے دست بستہ عرض کی کہ وہ سرکار کا خدمت گزار ہے سرکار کا اختیار ہے۔ دو تین بار ایسا ہی جواب پانے پر سرکار نے بفرمان مبارک ڈاکٹر خورشید حسین صاحب کو حیدرآباد کے صدر شفاخانہ افضل گنج میں سرجنی پر طلب و مامور فرمایا۔ آپ کو بسلسلہ ترقی فرسٹ سرجن کا عہدہ ملا۔ آپ اپنے والد کے بعد طبیب شاہی ہوئے۔ اعلیٰحضرت نے اپنے دست فیض سے آپ کے کام کی جو تعریف فرمائی ہے اس کی نقل شریک کتاب ہذا ہے۔

تحریر قلمی سرکار نظام آصف سابع

To

Dr. Khursheed Hussain son of late Dr. Arastu Yar Jung. I saw you performing the operation major Osmania Hospital to-day and was pleased to see what you did in this connection also. I came to know what high opinion Doctors of your profession have in you. ...

آپ عثمانیہ یونیورسٹی میں بھی سرجری اور امراض چشم کے پروفیسر رہے۔ آپ کی ترجمہ کردہ کتاب امراض چشم ڈاکٹری کے نصاب میں داخل ہے سرکار نے اس کو پسند فرماکر اس کا معاوضہ رقمی بھی عطا فرمایا۔

ختم ملازمت کے بعد بھی آپ کا فیض جاری ہے۔ آپ نے بہ مقام مال ٹیکری ایک شفاخانہ بنام ارسطو نرسنگ ہوم قائم کیا ہے جہاں آپ آپریشن اور علاج معالجہ کرتے ہیں۔ آپ کے والد ماجد کی طرح اللہ تعالےٰ نے آپ کو بھی دست شفا بخشا ہے۔

آپ رفاہ عام کے کاموں میں بھی حصہ لیتے رہے ہیں چنانچہ آپ نے تقریباً چالیس ہزار روپیہ صرف کرکے ایک جماعت خانہ حسینی علم سرائے جواہیر میں بنوایا ہے جس سے محلے والوں کی شادی غمی کے مواقع پر ضرورت پوری ہوتی ہے۔ آپ طالب علموں کی ہر طرح سے مدد کرتے رہتے ہیں۔ اپنے خاندان کے افراد کو مبادیات طب سے واقف کرانے اور نرسنگ کا کام سکھانے ہفتہ میں دو دفعہ ایک ایک گھنٹہ تعلیم دیتے ہیں اپنے فن کے لحاظ سے کیا بنی نوع انسان کی ہمدردی کے اعتبار سے آپ اپنے والد کے۔ الولد سر لابیہ کہلانے کے بدرجۂ اولیٰ مستحق ہیں۔ آپ نے فن طب میں متعدد رسالے لکھے اور طبع کروائے ہیں۔ آپ کے پاس کا گنڈوں اور منت مرادوں کے تعوید گنڈوں کا میوزیم جس کو آپ چالیس سال سے جمع کرتے رہے ہیں دنیا میں اپنا آپ نظیر ہے۔ جن جن ڈاکٹروں نے اس کو دیکھا ہے بے حد آپ کے جمع کردہ سامان کی تعریف کی ہے۔

نواب ارسطو یار جنگ کا خط بنام ڈاکٹر خورشید حسین جواد نمبر الکھا گیا

یہ ہے :-

هو اللہ المعین فی کل حین

اس امر کا خیال رکھنا کہ جو کام پہلے لئے جو کتاب یا جو علم شروع کئے
اس کو ختم کئے تک دوسرا کام ہرگز نہ کرنا۔ جب تم دو کام ایک وقت میں
کرنا چاہوگے تو دونوں بھی نہیں ہوسکیں گے۔ ۴ محرم ۱۳۲۶ھ

ارسطو یار جنگ

(۴) فدا حسین صاحب : یہ ڈاکٹر صاحب کے دوسرے فرزند ہیں۔
یہ سررشتہ مال اور سررشتہ عدالت کے معزز ترین ہستیوں میں سے شمار کئے
جاتے ہیں۔ سررشتہ مال میں بہت کامیاب رہنے پر سررشتہ عدالت نے
بطور خاص آپ کا انتخاب عدالت کیلئے کیا۔ اس سررشتہ میں آپ جہاں
کہیں رہے سررشتہ عدالت کے وقار کو بلند و بالا کرتے رہے۔ تدین میں سررشتہ
ہمیشہ آپ کی مثال دوسروں کو پیش کرتا رہا۔
آپ ناظم عدالت ضلع کی خدمت سے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش
ہوئے۔
کسی کی خدمت کرنا کسی کا کام نکال دینا آپ کی سررشت میں ہے
ہمیشہ ان کاموں میں آپ مستعد اور کامیاب رہے ہیں۔
ڈاکٹر صاحب نے اپنے فرزند فدا حسین صاحب کو جب وہ سررشتہ مال
سے سررشتہ عدالت میں اپنی کارگزاری اور دیانت داری کی وجہہ سے منتخب
کئے گئے فرمایا :-
میاں تم کو اللہ نے بڑا ذمہ داری کا کام دیا ہے۔ انصاف کرنا ہے

خاطی کو سزا دینا۔ بے گناہ کو رہا کرنا اور جس کا حق ہے اس کو دلانا ہے۔
تمہارا کام ہمارے کام سے بڑھا ہوا ہے۔ ہم مریض کا علاج کرتے ہیں تو اس کا
اثر ایک پر ہی پڑتا ہے۔ تم کسی بے گناہ کو سزا یا جزا دیں تو اس کا اثر ایک
پر نہیں پورے خاندان پر پڑتا ہے۔ غلطی سے ایک کا حق کسی دوسرے کو
دلا دیں تو اس کا مضر اثر پورے خاندان پر پڑتا ہے۔

ہم ڈاکٹر ہوئے ہم یہی دیکھتے تھے کہ کیا بیماری ہے کیا علاج کرنا ہے
کیا دوا دینا چاہیئے۔ ہم نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ امیر ہے یا غریب۔ مسلمان ہے
یا ہندو۔ عیسائی ہے یا پارسی۔ کبھی اس طرف خیال بھی نہیں گیا۔ بس کیا بیماری
ہے کیا علاج کرنا چاہیئے یہی اپنا فرض سمجھتے رہے تم کو بھی یہی کرنا چاہیئے کہ
کیا مقدمہ ہے کیا فیصلہ ہونا چاہیئے۔ کس کا مقدمہ ہے اس کے دیکھنے کی
تم کو ضرورت نہیں۔ یہ عمل تم کو حق پر رکھیگا اور لوگوں کو تم سے انصاف ملنے
کی توقع ہوگی۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اچھا ہم ایک سوال کرتے ہیں تم جواب دو
"ایک مقدمہ ہے ایک شخص کو اقبال ہے کہ اس نے ایک بچے کو قتل
کر دیا اس کے ہاتھ میں خون بھری تلوار بھی ہے اور ایک پوٹلی بھی ہے جس سے
خون ٹپک رہا ہے۔ اب بتاؤ تم اس کو کیا سزا دو گے"۔۔۔؟

"فدا حسین صاحب نے جواباً عرض کی کہ محض ملزم کا اقبال کوئی چیز
نہیں۔ یہ دیکھا جائیگا کہ جس کو قتل کیا گیا اس کے ورثا کیا چاہتے ہیں۔ ملزم
کو قتل کرتے ہوئے دیکھنے کی کیا شہادت ہے۔ یہ سب شہادت لینے
کے بعد ملزم پر الزام کسی کے بچے کو قتل کرنیکا عائد ہونے پر اور ملزم کو اس کو
قتل کرنے کی شہادت گذرنے پر مقتول کی لاش اور آلات جس سے کہ قتل

کیا گیا ہے یہ تمام قبول ہونے پر ملزم کو مجرم تصور کیا جائیگا۔ ملزم اگر کوئی شہادت پیش کرتا ہے اس پر غور کرنے کے بعد تجویز آخر صادر ہوگی۔"

اس پر ڈاکٹر صاحب نے شاباش شاباش کہا۔

فدا حسین صاحب رخصت لیکر ضلع سے حیدرآباد آئے صبح آٹھ بجے انھیں کوئی چیز جھٹک دینے کی آواز سنائی دی دیکھا تو ان کے والد ڈاکٹر صاحب اپنے ہاتھ سے اپنا جوتا جھٹک کر صاف کر رہے تھے دوڑ کر انہوں نے جوتا صاف کر کے سامنے رکھا تو ڈاکٹر صاحب ہانڈ بیاگ خود ہاتھ میں اٹھا کر بنگلے سے نیچے اترنا چاہتے ہے یہ ہانڈ بیاگ بھی ہاتھ سے لیکر گاڑی میں رکھنے چار پانچ سیڑھیاں اترے تھے کہ ملازم شیخ فرید آنکھیں ملتا ہوا آیا اور انکے ہاتھ سے ہانڈ بیاگ لے لیا ڈاکٹر صاحب نے متانت سے فرید سے فرمایا کہ ابھی آپ کے اٹھنے کا وقت نہیں ہوا ابھی آپ جائیے آرام کیجئے۔ ابھی صبح نہیں ہوئی۔

دوسرے دن بھی یہی واقعہ پیش آیا تو فدا حسین صاحب نے فرید سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی اتنا ذرا سا کام کہ علی الصبح جوتا صاف کر دیں اور ہانڈ بیاگ موٹر میں رکھ دیں یہ بھی تم سے نہیں ہوسکتا۔ تم کو تمہاری تنخواہ حرام ہے ڈاکٹر صاحب نے یہ سنتے ہی پلٹ کر اپنے فرزند فدا حسین صاحب سے فرمایا کہ میاں دوات قلم لاؤ اور ایک شعر لکھ لو جب میں شام کو واپس آؤں تو یاد سے وہ شعر مجھے میرے مجموعہ اشعار میں لکھا دینا۔ فدا حسین صاحب نے عرض کی فرمائیے میں یاد سے لکھ لوں گا ڈاکٹر صاحب نے فرمایا دیکھو میاں بھول نہ جانا یہ شعر ہے۔

گفتگوئے نا ملائم نیست رسم عاقلاں — از برائے نرم گفتن شد زباں بے استخواں

فدا حسین صاحب اپنی ترقی کے سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب کو نواب مرزا یار جنگ
بہادر کے پاس لیجانا چاہتے تھے تاکہ عندالموقع وہ کلمۃ الخیر سے یاد وہی ہو۔ اس
غرض کے لئے یہ دوسرے دن بہت سویرے اپنی قیام گاہ لال ٹیکری سے
ڈاکٹر صاحب کے پاس حسینی علم پہنچے تو معلوم ہوا کہ ابھی ڈاکٹر صاحب مسجد
سے واپس تشریف نہیں لائے ڈاکٹر صاحب کی عادت تھی کہ حتیٰ الامکان نمازیں
مسجد میں ادا فرماتے۔ جیسے ہی تشریف لائے ناشتہ سے فارغ ہو کر مکان
میں جو مستورات بغرض علاج آئی ہوئی تھیں ان لوگوں نے گھیر لیا۔ ان کو
نسخہ جات دیکر فارغ ہونے کے بعد فدا حسین صاحب نے اپنی غرض ظاہر
کی۔ فرمایا کہ ضرور ضرور چلونگا۔ کپڑے پہنے باہر برآمد ہوئے جو مریض مردانہ
میں بیٹھے تھے ان کو دیکھا بھالا۔ جھٹکے موٹریں وغیرہ سڑک پر بھرے
ہوئے تھے ان سب مریضوں کو دیکھکر فارغ ہوتے تک ساڑھے نو بج گئے
فدا حسین صاحب نے عرض کی کہ نواب مرزا یار جنگ بہادر ٹھیک ساڑھے
نو بجے ہائی کورٹ میں انتظامی کام شروع فرما دیتے ہیں اور دس بجے سے
اجلاس شروع ہو جاتا ہے اس لئے آج دیر ہو نیسے جانا بے سود ہوگا۔ ارشاد
ہوا کہ اچھا کل چلینگے۔ چنانچہ دوسرے دن ڈاکٹر صاحب جلد جلد بیماروں کو
دیکھکر موٹر میں بیٹھنا چاہتے تھے کہ ایک مسماۃ جھٹکے میں سے آواز دی کہ ڈاکٹر
صاحب مجھے دیکھ لو بابا۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ ابھی واپس آکر دیکھتا ہوں
مسماۃ نے درد بھری آواز سے کہا بابا میں تو ٹھیرتی ہوں مگر یہ جھٹکہ والا کہاں
ٹھیرتا ہے اور آٹھ آنے لے لیگا۔ یہ سنتے ہی ڈاکٹر صاحب نے اپنے فرزند
فدا حسین صاحب سے بہ لجاجت اجازت کے طور پر فرمایا میاں ذرا اس غریب
عورت کو دیکھ لیتا ہوں پھر چلینگے۔ اس کے دیکھتے دیکھتے تک وقت گذر چکا

ا! کہ حسین صاحب چھ دن تک متواتر لال ٹیکری سے حسینی علم

گئے اور یہی حالت ہوتی رہی ۔ چونکہ فدا حسین صاحب اس سے بہت

متاثر ہو چکے تھے اس لئے اپنی مایوسی کا اظہار اس طرح کر بیٹھے کہ باوا جان

وقت پر کام ہو سکتا ہے وقت گذرنے کے بعد ہونا مشکل ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے یہ سنکر ارشاد فرمایا کہ میاں خدا پر بھروسہ کرو ۔ ابھی

اس کی مرضی کے خلاف کوئی کیا کر سکے ۔ کیا کرتے مرزا یار جنگ بہادر اور کیا

کرتے بادشاہ سلامت ۔ فدا حسین صاحب یہ الفاظ سنکر خاموش کھڑے

ہو گئے ۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے فرزند کے چہرے پر مایوسی کا احساس فرما کر

ان کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا ۔ اچھا میاں کل ضرور چلیں گے ۔

چونکہ ڈاکٹر صاحب کا یہ جملہ کہ خدا پر بھروسہ کرو فدا حسین صاحب کو

بہت متاثر کیا تھا ۔ اس لئے وہ دوسرے دن حسینی علم جانا خلاف ہدایت سمجھے ۔

دوسرے دن خود ڈاکٹر صاحب جو ذرا بھی فرصت کا وقت پائیں خواہ

گھر میں ہوں یا موٹر میں قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے حکم خدائے عزو

جل پر کہ لیس للانسان الا ما سعیٰ قریباً دس بجے اپنے فرزند کے

گھر لال ٹیکری تشریف لے گئے اور فرما گئے کہ میاں فدا حسین میں کل صبح کا

ناشتہ تمہارے پاس کرونگا ۔

فدا حسین صاحب دوسرے دن اپنے والد کو زحمت نہ ہونے خود

حسینی علم پہنچے ۔ ڈاکٹر صاحب مسجد سے تشریف لاتے ہی موٹر میں سوار

ہو گئے موٹر سیدھا لال ٹیکری روانہ ہوئی تو ڈاکٹر صاحب کا ارشاد ہوا کہ میاں جب

تک میں تمہارا کام نہیں کرونگا ناشتہ نہیں کرونگا ۔ اس بنا پر موٹر سیدھا

نواب مرزا یار جنگ بہادر کے پاس پہنچے۔ اطلاع ہوتے ہی وہ ہو۔ اس یار جنگ بہادر میر مجلس عدالت العالیہ باہر تشریف لائے اور وہ ان کو اپنے ساتھ لے گئے ملاقاتی کمرے میں پہنچتے ہی ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ فدا حسین کہتے ہیں کہ اس موقع پر ترقی کے وہ مستحق ہیں۔ حق کس کا ہے وہ آپ بہتر جانتے ہیں۔ جس کا حق ہے اس کو دیا جائے اس کے سوائے مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔

نواب مرزا یار جنگ بہادر نے فدا حسین صاحب کی طرف مخاطب ہو کر بہت متانت سے اپنی نرم آواز میں فرمایا کہ فدا حسین صاحب آپ کی کارگزاری کی میں بہت قدر کرتا ہوں۔ کیا میں آپ کو نہیں جانتا بلا وجہ آپ نے ڈاکٹر صاحب کو اتنی تکلیف کیوں دی۔

(۵) مظہر حسین صاحب ایم اے بی ایس سی (اڈنبرا) یہ ڈاکٹر عبد الحسین صاحب کے تیسرے فرزند ہیں۔ مدرسہ عالیہ۔ علیگڈھ اور اڈنبرا میں تعلیم پانے کے بعد بفرمان خداوندی آپ کو سوم تعلقداری سررشتہ مال میں دی گئی۔ دو سال نظام آباد میں کارگزار رہنے کے بعد آپ کو تجربہ حاصل کرنے علاقہ ممبئی و ممالک متوسط بھیجا گیا۔ وہاں سے واپسی پر ناظم سررشتہ زراعت ملک سرکار عالی بنائے گئے۔ سررشتہ کا موازنہ بوقت جائزہ ساٹھ پر سات ہزار روپیہ سالانہ تھا۔ تیسرا سال اس کام کو انجام دیکر دوسرے سررشتہ میں منتقلی کے وقت تیرا لاکھ کا موازنہ چھوڑ گئے۔ ملک سرکار عالی میں ٹراکٹر کا استعمال انہوں نے شروع کیا۔ آئیل انجن کا نہ صرف رواج دیا بلکہ اس کے چلانے صاف رکھنے کی تعلیم کا بھی انتظام کیا۔ سرکاری مزرعہ جات

نگر۔ پربھنی، سنگاریڈی سب انھیں کے قائم کردہ ہیں۔ ڈیری ہے ابرسیمہ ساگر جو اب سررشتہ علاج حیوانات کو دیدیا گیا وہ بھی انھیں کا قائم کردہ ہے۔ زرعی تعلیم ملک میں جلد رائج کرنا بھی انھیں کا اسکیم تھا انہوں نے سررشتہ زراعت کو ترقی کے زینہ پر پہنچایا۔ اور متعدد اصلاحیں کیں گویا آپ ہی کی سعی بلیغ سے اس کی پختہ بنیاد پڑی اور کامیابی سے چل رہا ہے۔

اس کے بعد سرکار نے آپ کے تفویض سررشتہ اعداد و شمار کیا۔ یہ اس کے ناظم ہوئے اس وقت سررشتہ اعداد و شمار کا موازنہ صرف تیس پر چار ہزار تھا۔ یہ اس سررشتہ کو بام ترقی پر پہنچانے سے موازنہ قریب چھ لاکھ روپیہ سالانہ مصارف کا ہو گیا۔ نام سررشتہ جو اعداد و شمار و مردم شماری تھا اس کو اور اس کے کاموں کو ترقی دینے کے لئے آپ نے سررشتہ کی ایک جدید اسکیم پیش کی جس کو مشیر اعداد و شمار ملک ہند نے منظور اور اس کے روبراہ لانے کی سفارش حکومت میں کی۔ آپ نے ناظم اعداد و شمار کے عہدہ پر فائز رہنے کے زمانہ میں سال ۱۹۳۱ء کی مردم شماری ملک سرکار عالی کو بھی بحسن و خوبی انجام دیا جس کے لئے سٹرابیٹس کمشنر مردم شماری ہند بہت مداح رہے۔ اور ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے انجام دینے کے خواہشمند رہے لیکن بوجہہ مدت پچپن سالہ آپ اس کے قبل ہی اپنی خدمت نظامت اعداد و شمار سے بہ وظیفہ حسن خدمت سبکدوش ہوئے۔ فنی معلومات کے علاوہ آپ کو اردو فارسی ادب اور تاریخ سے خاص دلچسپی ہے۔

ایک دفعہ ڈاکٹر عبدالحسین صاحب نے اپنے فرزند مظفر حسین صاحب دایک سفارشی چٹھی بھیجی یہ چٹھی لیکر اپنے والد کی خدمت میں پہنچے اور

عرض کیا کہ سفارشی کی تعلیم اس معیار کی نہیں ہے جو اسں ہو۔ اس
درکار ہے تاہم حکم ہوتا ہے تو مامور کرتا ہوں اسں پر ڈاکٹر صاحب
میاں ہم اپنا کام کرتے ہیں تم اپنا کام کرو۔ ہمارا کام سفارش کرنا ہے تمہارا
کام انصاف کرنا اور مستحق کو اسں کا حق دینا ہے۔

(۶) اصغر حسین صاحب۔ یہ ڈاکٹر صاحب کے چوتھے فرزند ہیں جن کو
ڈاورسں کالج آف کامرس بمبئی کی تعلیم دلائی گئی۔ بعد تکمیل تعلیم یہ شہر حیدرآباد
میں تجارت شروع کئے ان کی شاپ عابد روڈ پر بنام اے اے حسین اینڈ
کمپنی موجود ہے۔

یہ اپنے علمی ذوق کی وجہ سے ایک مختصر سی کتاب پانچ جلدوں میں
بنام دلچسپ مقامات ریاست حیدرآباد طبع کروائے ہیں۔ حصہ اول شہر
حیدرآباد میں ہے۔ حصہ دوم، سوم، چہارم، پنجم چار صوبہ ملک سرکار عالے
یعنی اورنگ آباد، گلبرگہ، گلشن آباد میدک اور ورنگل کی بابتہ ہے

(۷) تجمل حسین صاحب تاج ایم ایس سی (امریکہ) آپ ڈاکٹر صاحب
کے پانچویں فرزند ہیں۔ آپ ڈگری حاصل کرنے کے بعد ممالک متحدہ امریکہ کے
کنسل ٹنگ مرالک انجنیئر ہوگئے اور لیسٹ ویٹ برک کے موجد قرار پائے
حیدرآباد واپس ہو کر آپ نے تاج گلاس ورکس قایم کیا اور نہایت
کامیابی سے چلا کر بتلا دیا۔ حکومت ہند کی جدید پالسی کے تحت اس کو حکومت
نے لے لیا۔

اس کے بعد آپ نے تاج کلے ورکس کی طرف توجہ کی ٹیپل مولڈڈ
تاج برک ملک میں رائج کیا دوسرے کلے کے اشیا بھی ملک میں رواج

ست نے اس کو بھی اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ آپ
میں ہمیشہ سے دلچسپی رہی ہے آج تک بھی یہ ان کاموں
میں مصروف رہتے ہیں۔

(۸) ڈاکٹر فیروز حسین ایم ڈی۔ ٹی ای ین بی (امریکہ) ایم ار سی وی ایس (اڈنبرا)۔ آپ ڈاکٹر صاحب کے چھٹے فرزند ہیں۔ آپ نے ارسطو کلنک معظم جاہی مارکٹ کے قریب قائم کر کے نہایت کامیابی سے اس کو چلایا پھر سرکار نے ان کا تقرر سیول سرجن بیدر پر کرنے کی وجہ سے حسب ارشاد اپنے والد ماجد اس کو قبول کیا اور ابتک برابر کار گذار ہیں۔ آپ سب میں سینیر اور سب سے زیادہ قابلیت کے اسناد رکھتے ہیں۔ سرکار نے ان کو بلدہ میں مامور کرنے کا ارادہ کیا ہے فی الوقت وہ ضلع محبوب نگر کے سیول سرجن ہیں

(۹) ڈاکٹر فخر الدین حسین ایم بی بی ایس یہ ڈاکٹر صاحب کے ساتویں فرزند ہیں۔ یہ حیدر آباد سے ڈاکٹری پاس کر کے ایف۔ ار سی ایس کے لئے لندن گئے ہوئے ہیں۔

(۱۰) ڈاکٹر صاحب کی تیسری صاحبزادی شیخ محمد بھائی بی اے ایل ایل بی سے منسوب ہے۔ یہ سررشتہ عدالت میں خدمت منصفی اورنگ آباد پر سال ۱۹۱۵ء میں مامور ہوئے۔ یہ نہایت دیانت و ایمانداری سے سررشتہ عدالت کے فرائض انجام دیتے رہے منصفی سے اسپیشل مجسٹریٹی۔ نظامت ضلع بمقدم عدالت العالیہ سشن جج پر ترقی کرتے ہوئے وظیفہ حسن خدمت پر علیحدہ ہوئے۔

نواب مرزا یار جنگ

آپ نے بمقام لال ٹیکری ارسطو کالونی میں ایک خوبصورت مسجد بنائی ہوئی ہے۔ اس محمدی تعمیر کی اور اپنے امکنہ خیرات و برکات کے کاموں کیلئے وقف فرمادیے

(۱۱) ڈاکٹر صاحب کی چوتھی صاحبزادی ڈاکٹر ابوالقاسم ایل ایم اینڈ ایس سے منسوب ہے۔ ڈاکٹر صاحب سکندرآباد اور حیدرآباد ہر دو مقام پر مطب کرتے ہیں۔

(۱۲) ڈاکٹر صاحب کی پانچویں صاحبزادی پروفیسر عابد علی صاحب بی ایس سی (حیدرآباد و لندن) سے منسوب ہے۔ عابد علی صاحب نے نظام کالج ریاضی اور سائنس میں بدرجۂ اول کامیابی حاصل کرکے لندن میں بھی کامیاب ہوئے اور انجینئرنگ کالج عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہیں۔

(۱۳) ڈاکٹر زاہد علی صاحب بی۔ اے مولوی فاضل (پنجاب)۔ ڈی۔ فل (آکسن) یہ ڈاکٹر صاحب کے نواسے ہیں تقریباً پچیس سال نظام کالج کے عربی پروفیسر رہے اور وائس پرنسپل کے عہدے تک ترقی کرکے وظیفہ حسن خدمت پر سبکدوش ہوئے۔ تقریباً تین سال سورت (گجرات) میں رہکر وہاں کے فاضل علماء و اساتذہ سے دینیات کی تکمیل کی۔ یہ ملک اسپین کے شاعر ابن ہانی کے دیوان پر تحقیقاتی کام کرنے سے آکسفورڈ یونیورسٹی نے ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری دی۔ اس دیوان کی شرح آپ نے عربی میں بھی کی ہے جس کا نام تبیین المعانی فی شرح دیوان ابن ھانی ہے جو مصر میں چھپ کر شائع ہوئی۔ ڈاکٹر زاہد علی صاحب کی ایک اور تالیف تاریخ

عثمانیہ یونیورسٹی نے شائع کیا ہے ۔ جامعیت اور تنقید کے لحاظ سے یہ اپنے موضوع کی پہلی کتاب ہے ۔ دوسری تالیف ڈاکٹر صاحب کی "ہمارا اسماعیلی مذہب اور اس کا نظام" ہے جو اردو میں ہونے کی وجہ سے بڑی دلچسپی سے پڑھی جاتی ہے ۔

(۱۴) عبد علی صاحب ایم ایس سی (انگلستان و امریکہ) یہ ڈاکٹر صاحب کے نواسے ہیں اور عثمانیہ یونیورسٹی میں ریسرچ پروفیسر ہیں پوسٹ گراجویٹ کو تعلیم دینے کا کام انجام دے رہے ہیں ۔

(۱۵) اختر حسین صاحب ایم ایس سی (علیگڈھ و امریکہ) یہ ڈاکٹر عبد الحسین صاحب کے پوتے اور ڈاکٹر خورشید حسین صاحب کے فرزند ہیں نظام کالج سے بی ایس سی اور علیگڈھ سے ایم ایس سی درجہ اول با امتیاز پاس کیا اور جامعہ عثمانیہ کے شعبہ طبعیات میں لکچرار ہوئے ۔ بعد سرکاری اسکالرشپ پر امریکہ کے چار سال قیام میں الکٹرک اور میکانک کے ڈگریوں کے علاوہ امریکہ او سوئیزرلینڈ کے مشہور اولادہ جات میں عملی تجربہ حاصل کیا اور واپسی میں مشرف با حج و زیارت ہوئے ۔ فی الوقت یہ انجنیرنگ کالج میں الکٹرک انجنیرنگ کے ریڈر ہیں ۔

(۱۶) بدر حسین صاحب فرزند ڈاکٹر خورشید حسین صاحب ۔ یہ انگلستان و امریکہ میں اکس ریز (X - Rays) میں دو سال کام سیکھ کر سرٹیفکیٹ حاصل کئے اور عنقریب واپس ہونے والے ہیں ۔

(۱۷) ڈاکٹر آفتاب حسین ایم بی بی ایس عثمانیہ فرزند ڈاکٹر خورشید حسین یہ امریکہ میں نیوجرسی ہاسٹل میں بطور خاص سرجری میں مہارت حاصل کر رہے ہیں ۔ بالخصوص یورالوجی میں ۔

(۱۸) ڈاکٹر سراج حسین۔ ایم بی بی ایس (عثمانیہ) فرزند نواب مرزا یار جنگ ابی ہو۔ اس
امریکہ میں ریڈنگ ہاسپٹل میں دو سال سے سرجری میں اعلیٰ تعلیم و فنی مہارت
حاصل کر رہے ہیں اور وہاں بہت مقبول ہیں۔

(۱۹) ڈاکٹر یوسف حسین ایم بی بی ایس فرزند مظہر حسین صاحب یہ اپتھال
مالوجی میں مہارت حاصل کرنے کے لئے عثمانیہ جنرل ہاسپٹل اور سروجنی دیوی
ہاسپٹل میں ڈیڑھ سال کے لئے عملی کام کر رہے ہیں تاکہ اس فن میں اعلیٰ تعلیم
حاصل کریں اور یورپ جاکر تعلیم کی تکمیل کریں۔

(۲۰) اقبال حسین بی۔ایس سی (عثمانیہ) فرزند مظہر حسین صاحب یہ ڈگری
حاصل کرنے کے بعد سررشتہ زراعت میں بطور گراجویٹ اسسٹنٹ برسرکار
ہیں اور آئیل سیڈ کے کام پر مامور ہیں

(۲۱) معصوم حسین بی ایس سی (عثمانیہ) فرزند اصغر حسین صاحب یہ ڈگری
فن زراعت میں حاصل کرنے کے بعد سررشتہ زراعت میں شعبہ ہوام حشرات
مامور بکار ہیں۔

(۲۲) جعفر حسین فرزند فدا حسین صاحب یہ بمبئی ڈنٹل کالج میں دندانسازی
و ڈاکٹری کی تعلیم پا رہے ہیں۔

(۲۳) ساجدہ بیگم بنت اصغر حسین صاحب یہ اڈنبرا میں چار سالہ نرسنگ کا

آخر سنہ ۱۹۵۵ء میں تکمیل کرنے والی ہیں وہاں سے ارادہ امریکہ جاکر
نرسنگ کام دینے کا ہے۔

(۲۴) مہرالنساء بیگم بنت مظہر حسین صاحب یہ ڈیڑھ سال سے امریکہ میں
نرس کا عملی کام انجام دے رہی ہیں۔

(۲۵) عارف حسین فرزند اصغر حسین صاحب یہ بدر کا کالج آف کامرس میں
بی کام کی تعلیم پا رہے ہیں۔ ہر سال اول رہنے سے انعامات تعلیمی پاتے
رہے سنہ ۱۹۵۴ء میں سونے کا تمغہ ان کو ملا۔

تفصیل مندرجہ بالا کے دیکھنے سے یہ بات ظاہر ہوگی کہ ڈاکٹر صاحب
موصوف نے خود اپنی زندگی ہی نہیں سنواری بلکہ اپنی آل اولاد کی زندگی بھی
کامیاب بنانے میں بہت بڑا حصہ لیا۔ ان کو تعلیم دلا کر بنی نوع انسان کے
مختلف شعبوں میں خدمت کے لائق بنایا۔ آپ کے خاندان کے اکثر افراد
فی الحال ایک ہی مقام ارسطو کالونی لال ٹیکری پر رہتے ہیں ان میں پورا اتفاق
واتحاد ہے اور سب کے سب اخلاق حسنہ سے آراستہ ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے
کہ باپ کی طرح اولاد لائق نہیں نکلتی لیکن ڈاکٹر صاحب کی ذات اس سے
مستثنیٰ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ لا یکون المومن مومناً حقاً یوجد
مثلہ۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی رحلت سے کچھ دیر قبل یہ فرمایا کہ میں بڑا خوش
قسمت ہوں کہ میری اولاد سب لائق ہے۔ اور تاکید فرمایا "بچوں کو لائق بناؤ"
اللہ تعالیٰ ان کے نام نامی کو ہمیشہ باقی رکھے۔ آمین

ب مرزا یار جنگ
بھی ہو۔ اس

مصنف کا خط بنام ڈاکٹر خورشید حسین صاحب [illegible] بہادر

جناب مکرم ! تسلیم

آپ کے والد نواب ارسطو یار جنگ بہادر یقیناً بہت بزرگ انسان تھے ۔ اس دعوے کے ساتھ دلیل بھی ہونا چاہیئے۔ ملاحظہ فرمائیے
ان کا تذکرہ لکھنے کی تحریک آپ نے فرمائی ؟ نہیں ۔
اور کسی معتقد نے خواہش کی ؟ نہیں ۔
نواب صاحب کا انتقال ہوگیا ۔ پورے دس برس گزر گئے۔ اتنی مدت کے بعد یہ خیال میرے دل میں کیونکر پیدا ہوا۔ اس بات پر خود مجھ کو حیرت ہوتی ہے ۔ خیر ۔
سب سے پہلے میں کتب خانہ آصفیہ کا رخ کیا ۔ وہاں کا میابی کی صورت دیکھی ۔ پھر کیا تھا وہ تمام طریقے اختیار کیے جن سے پختہ کار مصنف اور مولف ہی باخبر ہوتے ہیں ۔ یہ باتیں دشوار تو ہیں مگر بہت زیادہ دشوار نہیں ۔ بہت زیادہ دشوار معاملہ مرحوم کی خود نوشت یادداشتوں کا ہے ۔ یہ معاملہ مرحوم کی روحانیت کا سب کو قائل کر کے چھوڑیگا ۔ مرحوم کے ایک روحانی رازداں ملا محسن علی صاحب مرحوم تھے ۔ میں نے تذکرہ میں ان کا بھی ذکر کیا ہے لیکن نام مصلحتہً نہیں لکھا ۔ آپ کے دادا کا نام

لکھا ؟ آپ سمجھ گئے ہونگے ۔ خودنو
ر سے ا ر سطو۔اوپر حوالہ دیا گیا ہے اور چند خاص خاص :
ر نے کے ہیں ۔ کبھی نہ کبھی ۔ کہیں نہ کہیں آپ —
ے گی تو عرض کرونگا ۔

تذکرہ میں نے ایک دلکش انداز میں مرتب کیا ہے ۔ کوئی ایسی بات نواب مرحوم کی نسبت نہیں چھوڑی جس سے ملکی نونہال کچھ حاصل کر سکیں ۔

اپنی تصنیف میں کتنا مکمل مواد فراہم کیا ۔ یہ مواد کہاں کہاں سے فراہم کیا ۔ کتنی مدت میں فراہم کیا ۔ اس کا تصفیہ آپ کی بلاغت نظر کرے گی ۔ فراہمی مواد کے بعد تدوین و ترتیب و طرز نگارش اور اُس کے ساتھ خلوص بھی ہے ۔ خلوص بغیر کوئی تحریر اثر انگیز ہو ہی نہیں سکتی ۔ اس تصنیف میں آپ خلوص پائینگے ۔ نام اس کا میں نے تذکرہ پاکیزہ " رکھا ہے ۔ نواب صاحب مرحوم کے پاکیزہ کردار پر نظر رکھ کہ اسم با مسمیٰ ہے ۔

خادم

سید علی منظور

۱۷ ر اگست سنہ ۱۹۵۲ ع

اظہار حقیقت

از

مولوی سید علی منظور حیدرآبادی

شریف آدمی سر جھکاتا نہیں
وہ بندہ کو مولا بناتا نہیں
کسی طرح ذلت اٹھاتا نہیں
امیروں کے دل کو لبھاتا نہیں
حقیقت کو روشن کروں گا ضرور
ہر ایک بات پر کیوں کہوں جی حضور
فقط ہاں میں ہاں میں ملاتا نہیں
کہ اپنے میں کچھ نقص پاتا نہیں
بہت میں نے اس بات پر کی ہے غور
ادب اور کچھ ہے خوشامد ہے اور
ادب سے تو میں جی چراتا نہیں
خوشامد کا فن مجھ کو آتا نہیں

مصنف

آپ نے
انسان تھے
ان
اور
تو
مدت کے
لیے وغیرہ

نواب مرزا یار جنگ
بی اے ایل ایل بی ہو۔ اس
... وغیرہ
نادرت

مطیع ہوں ان کا جو ہیں ذی ادب
بزرگوں کا کرتا ہوں دل سے
کسی کو دھوکے میں لاتا نہیں
کہ جھوٹی عقیدت جتاتا نہیں
طبیعت سے میری سب آگاہ ہیں
کروں کیوں کسی کی خوشامد کہ میں
کسی سے خوشامد کراتا نہیں
خوشامد پسندوں میں جاتا نہیں
بھلائی ہے منظور منظور کی
نہ کیونکر کہوں پھر بڑی دور کی
غرض میں کسی کو بناتا نہیں
ترانے خوشامد کے گاتا نہیں

کتبہ

احقر سید محمد خوندمیری - ۲۲۔ چنچل گوڑہ

نواب مرزا یار جنگ

مصنف نواب ارسطو یار جنگ بہادر کی وفات

۲۲ اردی بہشت ۴۹ ف

اساتذہ و طلباء میڈیکل کالج کا یہ جلسہ ڈاکٹر نواب ارسطو یار جنگ بہادر کی وفات پر اظہار افسوس کرتا ہے اور ان کی جدائی کو ملک اور پیشے کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان تصور کرتا ہے۔ مرحوم فن جراحی میں خاصی شہرت کے مالک تھے۔ نہ صرف حیدرآباد میں بلکہ باہر بھی ان کی فن جراحی اور اس میں مہارت کی کافی شہرت تھی۔

خدا سے دعا ہے کہ ان کو مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر عطا کرے۔

انجمن جامعہ عثمانیہ کی مجلس عام کا ایک غیر معمولی جلسہ بتاریخ ۲۵ اردی بہشت بروز جمعہ جناب ڈاکٹر نواب ارسطو یار جنگ کے انتقال پر ملال پر اظہار تعزیت کے لئے منعقد ہوا۔

یادگاری ادارے

۱ ۔	ارسطو میموریل لکچر	منجانب "انڈین میڈیکل ایسوسی ا
۲ ۔	ارسطو میموریل وظیفہ (طبابت)	" جماعت داؤدیہ
۳ ۔	ارسطو فیا ملی تعلیمی ٹرسٹ فنڈ	" ارسطو فیا ملی
۴ ۔	ارسطو قیومیہ ٹرسٹ فنڈ (برائے مسجد دار)	" ارسطو فیا ملی
۵ ۔	ارسطو نرسنگ ہوم	" ڈاکٹر خورشید حسین
٦ ۔	ارسطو نرسنگ کلاس	" " "
۷ ۔	ارسطو لیبارٹری	" " "
۸ ۔	ارسطو فارمیسی	" حاتم حسین
۹ ۔	ارسطو لائبریری اینڈ میوزیم	" ڈاکٹر خورشید حسین
۱۰ ۔	ارسطو سائنس کلب	" عارف حسین

نواب ارسطو یار جنگ بہادر

یاد داری کہ بوقت زائیدن تو ـ ہمہ خنداں بودند تو گریاں

آں چناں زی کہ بعد مردن تو ـ ہمہ گریاں شوند تو خنداں